OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

دبستان فراہی کی تفاسیر پر تنقیدات: تجزیاتی مطالعہ

Analytical Study of Criticism on Farahi's School of Thought

ظفر اقبال
لیکچرر، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract

In subcontinent there are many exegeses school of thoughts. One of them is Farahi's school of Thought. Its founder was Hamid ud Din Farahi. He belongs to Indian district Uterperdaish. His exegeses principles are different from traditional. So, his exegesis based on his own developed principles is completely have different approach. In this regard, he had not only diverted from traditional trend but also have a new approach. For example, in the exegesis of Surah Kausar, he did not accept the traditional explanation of Kausar river in heaven. He said it is Bait ullah already exist in this world.
In this type of his elucidations, he and his school of thought faced criticism. Another main personality of this school of thought is Molana Amin Ahsan Islahi. There are about more than ten written criticisms exists on exegesis of Farahi's school. These criticisms are of two types, on their principles of exegeses and direct on their exegesis.

Keywords: Exegesis, Farahi, criticism, traditional trend

مکتب فراہی کے مؤسس

دبستان فراہی کے جد امجد مولانا حمید الدین فراہی ہیں۔ مولانا فراہی کی جائے پیدائش بھارت کے صوبہ یوپی (موجودہ اترپردیش) ضلع اعظم گڑھ کا ایک گاؤں 'پھریہا' ہے پھریہا اس ضلع کا ایک مشہور گاؤں ہے، مولانا فراہی کے ہاں واضح طور پر رسمی تعلیم کے دو دور ہیں اور ان میں ہر دور اپنی جگہ نمایاں اور مکمل ہے تعلیم کے پہلے دور میں انہوں نے دینی تعلیم کے علاوہ عربی اور مشرقی علوم سیکھے جس کی تکمیل نجی تعلیمی درسگاہوں میں ہوئی دوسرے دور میں انہوں نے انگریزی اور مغربی علوم کی تحصیل کی جس کے لیے سرکاری تعلیم گاہوں میں داخلہ لیا، مولانا فراہی کی ابتدائی تعلیم اس وقت کے شرفاء کی طرح گھر پر ہوئی اس کا آغاز دستور کے مطابق ناظرہ اور حفظ قرآن سے ہوا راجا پور سکرور کے حافظ احمد علی مرحوم نے گھر پر رہ کر حفظ کرایا ،حفظ قرآن سے فارغ ہو کر عام دستور کے موافق پہلے فارسی کی تعلیم لی اس زمانے کا عام طریقہ تعلیم یہ تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی مضمون ہی پڑھتے تھے فارسی زبان میں بہت جلد اس قدر ترقی کرلی کہ شعر کہنے لگے شاعری کا مذاق ان میں فطری تھا زبان سے تھوڑی ہی مدت میں اس قدر گہری مناسبت پیدا کرلی کہ اساتذہ کے رنگ میں قصیدے لکھنے لگے مولانا کی عمر ابھی چودہ برس ہی تھی کہ طلب علم میں وہ پھریہا سے اعظم گڑھ آئے اور شبلی نعمانی سے پڑھنا شروع کیا یہ ۱۸۷۷ء کا سال تھا مولانا فراہی کی تعلیم

وتربیت میں شبلی کا خاصا حصہ ہے، تعلیم وتربیت میں مولانا شبلی سے کسب فیض کرنے کے بعد مولانا فراہی نے وقت کے مشہور اساتذہ کے حلقہ دروس سے مستفید ہونے کا ارادہ کیا اس سلسلہ میں وہ قدم بقدم مولانا شبلی نعمانی کے نقش قدم پر چلتے نظر آتے ہیں اس زمانہ میں مولانا ابوالحسنات عبد الحیٔ لکھنوی فرنگی محلّی کے حلقہ دروس کی بڑی شہرت تھی چنانہ فقہ کی تحصیل کے لیے مولانا فراہی نے کچھ مدت تک عبد الحیٔ لکھنوی کے حلقہ دروس میں شرکت کی وہاں مولانا فضل اللہ انصاری جو معقولات کے ماہر تھے سے بھی استفادہ کیا لیکن مولانا کی طبیعت ابتدا ہی سے تحقیق پسند واقع ہوئی تھی اور ان کے اس ذوق کو مولانا شبلی نعمانی کے فیض صحبت نے مزید ابھار دیا تھا للہٰذا وہ زیادہ عرصہ لکھنؤ میں نہ رکے اسی دوران مولانا فراہی نے تقریباً ان تمام مراکز علم کا رخ کیا جو مولانا شبلی کا مرجع رہ چکے تھے، امام حمید الدین فراہی ایک متبحر عالم اور مجتہد فی المذہب تھے آپ گہری علمیت اور بے مثال وسعت نظری کا عجیب وغریب مرقع تھے، مولانا نے امت کے لیے وہ علمی خدمات سر انجام دیں جن کے بارے میں امت مسلمہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی، زعمائے ملت کی نظر میں مولانا ایک بلند مقام و مرتبہ رکھتے تھے زمانہ طالب علمی ہی میں مولانا کا علمی پایہ مسلم تھا، عربی وفارسی ہی میں وقت کے بڑے بڑے اساتذہ اور ادیب جن سے انہوں نے تعلیم حاصل کی، ان کی ذہانت اور علمی فکر سے متاثر تھے ۔[1]

فراہی اور تفسیر قرآن

آپ تفسیر میں ایک نئی طرح کے موجد ہیں۔ روایتی طرز تفسیر جو زیادہ تر تفسیر بالماثور کا طرز تھا، اس سے ہٹ کر مولانا حمید الدین فراہی نے قرآن مجید میں غور و فکر کے نتیجے سے حاصل ہونے والی معلومات کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے مرتب کیا۔ مولانا چونکہ عربی زبان میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے، اس لیے عربی زبان سے استشہاد کو تفسیر کا ایک بنیادی جزو قرار دیتے ہیں۔ عربی زبان سے خصوصی نسبت ہی کی وجہ سے انہوں نے نہ صرف تفسیر لکھی بلکہ بہت سی ایسی کتابوں کے مصنف ٹھہرے جن میں اکثر قرآن وسنت کی تشریحات پر مشتمل ہیں۔ مولانا نے اپنی فکر کو آگے بڑھانے کے لیے مدرسۃ الاصلاح کے نام سے مدرسہ قائم کیا۔ جس سے ان کے شاگرد تیار ہوئے جنہوں نے تفسیر القرآن کے میدان میں نمایاں کام کیے۔ ان کے شاگردوں میں سب سے نمایاں مولانا امین احسن اصلاحی ہیں۔ جنہوں نے اپنے استاد کی فکر کو آگے بڑھاتے ہوئے قرآن مجید کی تفسیر "تدبر قرآن" کے نام سے لکھی اور باقاعدہ اپنے شاگردوں کی ایک جماعت تیار کی۔ یوں مولانا حمید الدین فراہی کا مکتبہ فکر معرض وجود میں آیا۔ عصر حاضر میں اس فکر کے بڑے داعیان میں پاکستان کی نامور شخصیت جناب جاوید احمد غامدی ہیں۔ جنہوں نے البیان کے نام سے تفسیر قرآن کا کام کیا ہے۔ جو ابھی نامکمل ہے۔ اور انڈیا سے جناب الطاف اعظمی کی تفسیر میزان القرآن بھی منظر عام پہ آچکی ہے۔ اس مکتبہ فکر کے بنیادی اصول نظم قرآن اور نظام القرآن کو پہلے باب میں خاصا تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں مقصود اس مکتبہ فکر کے مصنفین کی کتب یعنی تفاسیر پر ہونے والے نقد کو پیش کرنا ہے جو کسی طور پر بھی کتابی شکل میں مہیا ہو چکے ہوں۔

مکتب فراہی کی تفاسیر اور ان پر نقد

اب تک جو کتابیں اس مکتبہ فکر کی تفاسیر اور تفسیری فکر پر نقد کے حوالہ سے لکھی گئیں ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱. نقد فراہی، مولانا حمید الدین فراہی کے تفسیری نظریات کا تحقیقی مطالعہ از رضی الاسلام ندوی، مکتبہ اسلام علی گڑھ، انڈیا۔
۲. اصول اصلاحی اور اصول غامدی کا تحقیقی جائزہ، عبدالوکیل ناصر۔
۳. اصول تفسیر میں نظم قرآن کی روایت کا تاریخی و تحلیلی مطالعہ، مقالہ ایم فل، حافظ فدا حسین۔
۴. تفسیر تدبر قرآن: ایک تنقیدی جائزہ، حافظ افتخار احمد، مقالہ پی ایچ ڈی، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔
۵. تدبر قرآن پر ایک نظر، مولانا جلیل احسن ندوی، ترتیب و تعلیق مولانا نعیم الدین اصلاحی۔ دار التذکیر لاہور
۶. تحفہ اصلاحی، ڈاکٹر مفتی عبدالواحد جامعہ مدنیہ، لاہور۔
۷. حمید الدین فراہی اور جمہور کے اصول تفسیر، حافظ انس نضر، کتاب محل، لاہور۔
۸. جواب اصول و مبادی، ناشر مجلس التحقیق الاسلامی، ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن لاہور۔
۹. ڈاکٹر معین الدین اعظمی کا تحقیقی مقالہ "الفراہی واثرہ فی تفسیر القرآن"۔

۱. نقد فراہی

نقد فراہی معروف محقق ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب سنہ ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی۔ جناب محمد رضی الاسلام ندوی صاحب بھارت کے معروف محقق ہیں۔ آپ کی پیدائش ۲۷ مئی ۱۹۶۴ء میں صوبہ اتر پردیش کے ضلع بہرائچ کے موضع راجہ پور، بلبل نواز میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام محمد شفیع خاں تھا۔ آپ ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہیں ادارہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ سے وابستہ ہیں۔ آپ مجلّہ "تحقیقات اسلامی" کے مدیر معاون ہیں۔[۲]

مولانا رضی الاسلام ندوی نے مولانا فراہی کی کتب کا بہت باریک بینی سے مطالعہ کیا اور ان کی کتب کی مدد سے بہت سے علمی اور وقیع مضامین لکھے۔ خود نقد فراہی کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

> "برادر محترم نسیم ظہیر اصلاحی استاد مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ کے دوستانہ تعلق نے اس راہ کی تمام مشکلات دور کردیں۔ انھوں نے دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ سے مولانا کی تصنیفات کا مکمل سیٹ فراہم کردیا۔ ان کے طفیل تصانیف فراہی کے بعض ایسے ایڈیشنز (دائرہ حمیدیہ قرول باغ، دہلی) تک میری رسائی ہوئی جن کی بہت سے 'اصلاحیوں' کو بھی خبر نہ تھی۔ اس زمانہ میں میرے بعض مضامین ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ[۳] کے ترجمان سہ ماہی مجلّہ تحقیقات اسلامی میں شائع ہوئے۔"[۴]

اس کتاب میں مصنف نے مکتب فراہی کی بعض تفسیری آراء پر نقد کیا ہے۔ نقد فراہی دراصل مولانا رضی

الاسلام ندوی کے چند مقالہ جات کا مجموعہ ہے جس کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ یہ مقالہ جات مولانا فراہی کی تفسیر پر تنقید پر مشتمل تھے۔ اس مجموعہ میں پہلا مقالہ تفسیر سورۃ فیل پر ہے، دوسرا مضمون مولانا فراہی اور تفسیری روایات، تیسرا مقالہ مولانا فراہی اور حدیث، چوتھا مقالہ حدیث کے موضوع پر مولانا فراہی کی ایک تصنیف احکام الاصول باحکام الرسول کا تعارف جبکہ پانچواں مقالہ مناسک حج کی تاریخ کے عنوان سے ہے، جس میں مناسک حج کی تاریخ سے متعلق مولانا فراہی اور ان کے ہم خیال بعض علماء کی آراء پر نقد کیا گیا ہے۔[۵]

تفسیر سورۃ الفیل

پہلا عنوان " تفسیر سورۃ الفیل " ہے، اس عنوان کے تحت مولنا فراہی کے سورۃ الفیل کی تفسیر پر نقد ہے۔ مولانا فراہی کے مطابق ابرہہ[۶] کے لشکر کا مقابلہ اھل مکہ نے کیا تھا جبکہ پرندے ان کی لاشوں کو کھانے آئے تھے نہ کہ پتھر برسانے۔ اور یہی نقطہ نظر مولانا فراہی کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی کا بھی ہے۔ ان پر نقد اگرچہ مولانا مودودی نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن اور حفیظ الرحمٰن سیوہاروی نے قصص القرآن میں بھی کیا ہے۔ اور مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی نے بھی اپنی تفسیر مفتاح القرآن میں اس پر نقد کیا ہے۔ محمد رضی الاسلام ندوی نے ان تمام تنقیدات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بالواسطہ مولانا فراہی کی تفسیر سورۃ الفیل پر نقد کیا ہے۔

مولانا فراہی نے اپنے مؤقف کو کہ ابرہہ کے لشکر پر پرندوں نے نہیں بلکہ اہل مکہ نے سنگ باری کی تھی، ایک تو مستند روایات کو رد کرتے ہوئے اور راویان پر جرح کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور دوسرا اپنے مؤقف کی تائید میں اشعار پیش کر کے استدلال کیا کہ ان پر سنگ باری پرندوں نے نہیں کی بلکہ پرندے ان کی لاشوں کو کھانے آئے تھے۔ ذیل میں ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

> ''مفسرین عموماً قصہ کی تمام تفصیلات روایات سے اخذ کرتے ہیں اور ضعیف و قوی روایات میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ یہ شکل مضر اور عموماً صحیح تأویل تک پہنچنے سے مانع ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ واقع کی اصلی شکل روایات سے بالکل الگ کر کے دیکھی جائے۔ اس کے بعد روایات پر بھی نظر ڈالی جائے اور کمزور روایات کو صحیح روایات سے چھانٹ کر الگ کیا جائے۔''[۷]

آگے چل کر لکھتے ہیں:

> ''جو حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں سب یک قلم بے بنیاد ہیں از روئے سند ان میں سے ایک روایت بھی قابل اعتماد نہیں۔ یہ تمام روایات ابن اسحاق پر ختم ہوتی ہیں اور اہل فن کے نزدیک یہ امر طے شدہ ہے کہ وہ یہود اور غیر ثقہ راویوں سے روایت کرتے ہیں''[۸]

اس کے علاوہ مولانا فراہی نے باقاعدہ عنوان قائم کیا کہ ''کلام عرب کی شہادت کہ سنگ باری آسمان اور ہوا سے ہوئی''۔ اور اس میں سات آٹھ شعراء کے اشعار نقل کیے ہیں۔ اگرچہ اکثر میں سنگ باری کا کوئی تذکرہ نہیں اور جن میں ہے تو ان میں بھی صراحتاً ذکر نہیں ہے کہ کنکریاں کس نے ماریں۔

مولانا فراہی نے اپنی تفسیر میں اس موقف کے جو دلائل دیئے ہیں ان تمام عبارات کا مولانا محمد رضی الاسلام ندوی نے تنقیدی جائزہ لیا ہے اور ہر ایک جزیہ کا مسکت جواب دیا ہے۔ سب سے پہلے مولانا فراہی کے مستدلات ذکر کئے ہیں، جن میں خاص طور پر مولانا فراہی نے کلام عرب سے جو استشہاد کیا ہے، اس کا جواب دیا ہے ۔ رضی الاسلام ندوی نے مولانا امین احسن اصلاحی کو بھی اس نقد میں شامل کیا ہے اور ان کی تفسیر تدبر قرآن سے اقتباس لیا ہے جس میں مولانا اصلاحی 'ترمی' سے استدلال کرتے ہوئے اس کا فاعل قریش کو قرار دیتے ہیں۔ اور چڑیوں کے پتھر گرانے کو رمی نہیں قرار دیتے کیونکہ مولانا اصلاحی کے نزدیک رمی کے لیے بازو یا ناخن کا زور لازما استعمال ہوتا ہے تب عربی اصطلاح رمی کا اس پر انطباق ہوتا ہے۔

اس پر رضی الاسلام ندوی نے ان کی عربی دانی پر بات کی ہے کہ ترمی کا فاعل کس طور قریش کو ٹھہرایا جارہا ہے جبکہ خود امین احسن اصلاحی اس بات کو مان رہے ہیں کہ ابرہہ کے لشکر کی پسپائی کے وقت تیز و تند ہوا چل رہی تھی تو لازما چڑیوں کے پھینکے ہوئے پتھروں میں رمی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اور اس بات کو رضی الاسلام ندوی نے قرآن مجید کا ایجاز قرار دیا ہے کہ لفظ 'ترمی' سے صورت حال کی مکمل تصویر کشی کر دی گئی۔

آخر میں مولانا رضی الاسلام ندوی نے مولانا فراہی کی اس تأویل کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ مولانا فراہی چونکہ عربی شاعری کے ساتھ خصوصی شغف رکھتے تھے لہٰذا اس مطالعہ اور شغف سے حاصل شدہ قریش کی بہادری و شجاعت کی تصویر مولانا کو اس بات پر مجبور کرتی تھی کہ وہ عربوں کی بزدلی یا ابرہہ کے لشکر کا مقابلہ نہ کرنے کو کسی صورت تسلیم نہ کریں۔

اس کے بعد مولانا فراہی کی تاویل پر ہونے والے اعتراضات کا ذکر کیا ہے اور آخر میں اس تاویل کا سبب ذکر کیا ہے، مولانا فراہی کی اس تاویل کا سبب ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> " مولانا فراہی کی تفسیر سورۃ الفیل کا مطالعہ کرتے وقت بارہا یہ خیال ذہن میں آیا کہ آخر مولنا کے ذہن میں یہ عجیب و غریب تفسیر کیسے آئی؟ جب کہ کوئی روایت ساتھ نہیں دیتی، تفسیر کی کسی کتاب میں ہلکا سا اشارہ نہیں ملتا اور امت کی تاریخ میں کسی کی جانب سے یہ رائے سامنے نہیں ائی، مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اشعارِ عرب کے وسیع و عمیق مطالعہ کے نتیجہ میں مولنا کے ذہن میں عربوں کی اخلاقی عظمت، شجاعت و بہادری، شہ سوای اور شمشیر زنی کی تصویر مرتسم ہو گئی تھی، اس لئے ان کو شبہ ہوا کہ انہوں نے لشکر ابرہہ سے ضرور مقابلہ آرائی کی ہو گی، اسی کو بنیاد بنا کر مولنا نے اشعارِ عرب میں سے مجمل اشعار لے لئے اور انہیں اپنے مدعا پر دلیل بنادیا۔ "[۹]

تفسیری روایات

دوسرا عنوان مولنا ندوی نے " تفسیری روایات " پر باندھا ہے، اس باب میں مصنف نے مکتبِ فراہی میں تفسیری روایات کی حیثیت پر گفتگو کی ہے۔ جس میں خاص طور پر شانِ نزول کی روایات پر بحث کی ہے کہ مولانا تفسیر قرآن میں روایات حدیث کو کیا مقام دیتے ہیں۔ اور اس بات پر نقد کیا ہے کہ سلف وصالحین کے طریقہ سے ہٹ کر

مولانا فراہی کا مؤقف یہ ہے کہ روایات کو قرآن مجید کی تفسیر میں صرف تائید کے لیے رکھا جائے اور روایات کی جانچ پرکھ سند کے ساتھ ساتھ درایت عقلی سے بھی ہونی چاہیے اور اس سلسلہ میں نظم قرآن اور نظام القرآن کو درہم برہم کرنے والی روایات کو قابل قبول نہیں سمجھنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں رضی الاسلام ندوی نظم قرآن اور نظام القرآن کے حوالہ سے درایت تفسیری پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر یہ کوئی معیار ہوتا تو مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی کی تفسیری درایت میں مماثلت لازمی امر تھا جبکہ امر واقعہ یہ نہیں۔

دوسرا نقطہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاں کہیں مولانا نے روایات صحابہ وتابعین کو لیا بھی ہے تو ساتھ ہی اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ میرے خیال میں یہ استنباط فلاں آیت سے کیا گیا ہے گویا بات کو صرف تفسیر القرآن بالقرآن تک ہی محدود رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کے علاوہ شان نزول کی روایات پر مولانا فراہی کے نقد کو لیا گیا ہے کہ مولانا فراہی ایک جانب تو شان نزول کی روایات کو مطلقاً رد کرتے ہیں اور اس سے نظم و نظام القرآن کے درہم برہم ہونے کی بات کرتے ہیں تو دوسری طرف خود ساختہ شان نزول بیان کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آیت رجم کے حوالہ سے صحیح مسلم کی روایت سے غلط استشہاد کرنے پر بھی مطعون ٹھہرایا گیا ہے کہ روایت کے ایک حصے سے استدلال کر لیا اور پوری روایت کو نہ دیکھا۔ جس سے حد زنا ثیب اور بکر دونوں کے لیے مأۃ جلدۃ قرار دے دی اور باز نہ آنے پر ثیب کو سورۃ المائدہ کی آیت فساد فی الارض کی بنیاد پر رجم کی سزا کا ذکر کیا۔ اس بات کو رضی الاسلام ندوی نے صراحتا روایات سے غلط استشہاد قرار دیا ہے۔

سورۃ الکوثر کی تفسیر میں کوثر کی تأویل

کوثر کی تأویل مولانا فراہی نے دنیا ہی میں خانہ کعبہ کی صورت میں کی ہے۔ فرماتے ہیں عموماً کوثر کے سلسلہ میں دو مذاہب ہیں۔ ایک یہ کہ کوثر سے کوئی خاص چیز مراد لی جائے یعنی حوض محشر، نہر جنت یا حکمت یا قرآن وغیرہ دوسرا مذہب یہ ہے کہ کوثر عام ہے ہر چیز جس میں خیر کثیر ہو، اس میں داخل ہے۔ ان اقوال میں تطبیق کی کوشش کی ہے۔

> ''اب اگر قرآن اور حدیث کے درمیان کامل تطبیق کے لیے یہ کہا جائے کہ جو کوثر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو دنیا میں عطا فرمایا ہے وہی اپنی حقیقی شکل میں مؤقف کا حوض اور جنت کی نہر ہے تو یہ تطبیق زیادہ بہتر ہوگی اور بہ اعتبار تأویل بھی یہ تأویل زیادہ مناسب اور خوبصورت ہے''[۱۰]
>
> اس کے بعد انہوں نے خانہ کعبہ اور نہر کوثر کی صفات میں مشابہت دکھائی ہے اور لکھا ہے:
>
> ''معراج میں جو نہر کوثر آنحضرت ﷺ کو مشاہدہ کرائی گئی تھی اس کی صفات پر جو شخص بھی غور کرے گا اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ نہر کوثر درحقیقت کعبہ اور اس کے ماحول کی روحانی مثال ہے''[۱۱]
>
> اس اقتباس پر مولانا رضی الاسلام ندوی نے نقد کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مولانا فراہی نے خانہ کعبہ کو کوثر کی حقیقی صورت اور نہر کوثر کو اس کی روحانی مثال قرار دیا ہے۔ یہ صحیح نہیں، بلکہ نہر کوثر کو حقیقت قرار دینا چاہیے۔ کیوں کہ صحیح احادیث میں صراحت کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے اسی کوثر کا مصداق قرار دیا ہے"[۱۲]

احادیث سے غلط استدلال کرنے پر بھی ایک نقد کیا گیا ہے کہ مولانا فراہی احادیث کو بھی آیات قرآنی کی طرح خود سے معنی پہنا دیتے ہیں۔ جیسے الا اوتیت القرآن ومثلہ معہ میں مثلہ معہ کی تصریح دوسری احادیث اور مفسرین سے سنت مراد ہے لیکن مولانا فراہی اس سے فہم ودانش مراد لیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب

اسی طرح قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کے خواب کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ جس کا ذکر انہوں نے اپنے بیٹے سے کیا تو بیٹے حضرت اسماعیلؑ بھی راضی بہ رضا ذبح ہونے کے لیے صرف اس لیے تیار ہوگئے کہ یہ حکم خداوندی ہے۔ لیکن مولانا فراہی کا خیال ہے کہ یہ خواب تمثیلی تھا اور اس کی تعبیر یہ تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو خدا کے گھر کی خدمت کے لیے وقف کریں۔ مولانا فراہی اس تمثیلی خواب کا ذکر کرتے ہوئے یہ تک لکھ گئے کہ

"رؤیا کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں کہ بعض رؤیا تعبیر کی محتاج ہوتی ہیں اور تعبیر بعض اوقات اس قدر دقیق ہوتی ہے کہ خود صاحب رؤیا سے بھی مخفی رہ جاتی ہے۔ یہی صورت حال بعض مرتبہ انبیاء کو بھی پیش آجاتی ہیں۔ فہم تعبیر ایک مخصوص علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ایک مخصوص بصیرت و معرفت پر مبنی ہے۔"[۱۳]

مولانا رضی الاسلام ندوی نے اس دعوی پر نقد کرتے ہوئے پیش کیے گئے نظائر، حضرت یوسف کے جیل کے ساتھیوں اور بادشاہ کا خواب کو نہ سمجھنا، تورات میں بخت نصر اور دانیال کے بھی اسی قسم کے خواب مروی ہیں، وغیرہ کو قیاس مع الفارق قرار دیا ہے۔[۱۴] پھر تائید میں مولانا مودودی کے ایک مقالہ تحقیق قربانی پر تنقید کا اقتباس پیش کیا ہے جس میں مولانا مودودی نے عرشی صاحب اور مولوی احمد الدین مرحوم پر نقد کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں لکھا کہ انہوں نے خواب کا مطلب ہی غلط سمجھا۔

مولانا رضی الاسلام ندوی نے ان سب حضرات کی اس فاسد تأویل کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ اس طرح سے مخالفین اسلام کی مخالفتوں سے بچنا چاہتے ہیں۔ کہ جیسے دوسرے مذاہب میں بتوں کے نام کے چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے ایسے ہی مخالفین اسلام حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کو ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ رضی الاسلام ندوی کا کہنا ہے کہ مخالفین اسلام کے اس اعتراض سے بچنے کے لیے واقعہ کی ایک غلط توجیہ کرنا مناسب نہیں۔ اس کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ اطاعت اور معصیت اعمال کے ذاتی اوصاف نہیں ہیں۔ بلکہ خالق کے امر یا نہی پر مبنی ہیں۔ اگر ایک شخص کو یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ خالق نے اسے فلاں کام کرنے کا حکم دیا ہے تو وہ عین اطاعت ہو جاتا ہے۔ اور یہی جواب متقدمین علمائے اسلام نے بھی دیا ہے۔ اس پر رضی الاسلام ندوی نے قاضی ابو بکر ابن العربیؒ کی احکام القرآن کی ایک عبارت بھی پیش کی ہے۔[۱۵]

آخر میں حاصل بحث کے عنوان سے لکھتے ہیں :

"اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ تفسیرِ قران میں تفسیری روایات جتنی اہمیت کی مستحق تھیں ، مولنا فراہی نے انہیں اتنی اہمیت نہیں دی ہے ، یہ صحیح ہے کہ تفسیری روایات کا ذخیرہ اس وقت موجود ہے ، وہ غث و سمین پر مشتمل ہے ،اس کا بڑا حصہ ضعیف اور موضوع ہے ، لیکن اس بنیاد پر تمام تفسیری روایات سے صرفِ نظر کر لینا بھی صحیح نہیں۔ "[16]

حدیث فہمی اور مولانا فراہی

تیسرا باب اسی موضوع سے متعلق "حدیث فہمی" کے عنوان سے باندھا ہے ،اس باب میں مولانا فراہی کے نظریہ حدیث اور بعض احادیث کے ساتھ ان کے تعامل پر گفتگو کی ہے ، مولنا فراہی کا نظریہ حدیث ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"حدیث کے سلسلہ میں مولانا فراہی کا نظریہ کیا تھا ؟ مولانا امین احسن اصلاحی نے جو عرصہ دراز تک ان کی صحبت میں رہ چکے تھے ، تفصیل سے وضاحت کی ہے ، یہاں ان کی تحریر کے کچھ اقتباسات نقل کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا ،ان کی حیثیت صاحب البیت کی ہے، مولنا نے تفسیر نظام القرآن کے شروع میں مصنف کے مختصر حالات زندگی کے عنوان سے ایک مضمون سپرد قلم فرمایا ہے ،اس میں مولنا حمید الدین فراہی اور علم حدیث کی سرخی کے تحت رقم طراز ہیں :

'میں پورے چھ سال ان کی صحبت میں شب و روز رہا ہوں ،اس چھ سال کی صحبت میں شاید کوئی صبح و شام ایسی گزری ہو ، جس میں مجھے علمی و مذہبی اور ادبی و سیاسی مسائل پر ان سے کھل کر بحث کرنے اور ان کے خیالات معلوم کرنے اور اپنے شبہات ان کے سامنے پیش کرنے کا موقع نہ ملا ہو ، میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے کبھی ان کی صحبت میں یہ گماں بھی نہیں گزرا کہ مولنا حدیث کے بارے میں اس نقطہ نظر سے کوئی مختلف نقطہ نظر رکھتے ہوں ، جو محققینِ امت کا ہے ،انہوں نے حدیث کی تمام معتبر کتابوں کو نہایت تحقیق و تنقید کے ساتھ پڑھا تھا ، وہ بیش تر احادیث کو قرآن سے مستنبط سمجھتے تھے۔ "[17]

مولانا اصلاحی کی عبارات ذکر کرنے کے بعد مصنف نے مولنا فراہی کی تصنیفات میں موجود حدیثی ذخیرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی ہے ، سب سے پہلے مولنا ایک نامکمل حدیثی تصنیف "احکام الاصول باحکام الرسول کا ذکر کیا ،اس کے بعد مفرداتِ قرانی کی تشریح میں مولنا فراہی نے جن جن احادیث سے استدلال کیا ہے ،ان کا ایک نمونہ پیش کیا ہے ،اس کے بعد اسالیبِ قرآنی کے اثبات میں مولنا فراہی نے جن احادیث کو مستدل بنایا ہے ، ان کا ذکر کیا ہے ، نظمِ قرآن کو ثابت کرنے میں مولنا فراہی نے جن احادیث کو مدار بنایا ہے ،اس کا تذکرہ کیا ہے ،اس کے بعد آیاتِ قرآنیہ کی تشریح و توضیح میں مولنا فراہی نے جن احادیث سے کام لیا ہے ، ان کا ذکر کیا ہے ۔اس کے علاوہ مولنا فراہی نے اپنی تصانیف میں احادیث کی طرف جو اشارے کئے ہیں ، ان کا ذکر کیا ہے ،اس کے بعد مولنا فراہی نے

احادیث نقل کرنے کا جو منہج اختیار کیا ہے، اس کا ذکر کیا ہے، ان ابحاث کے بعد مولنا فراہی نے جن جن احادیث سے غلط استدلال کیا ہے یا بعض احادیث کی صحت سے انکار کیا ہے، اس کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے، یوں یہ باب حدیث فہمی کے سلسلے میں مولنا فراہی کے موقف اور فہم کا ایک مکمل خاکہ پیش کرتا ہے۔ مثلاً فراہی کے ہاں ابن اسحاق[۱۸] کے حوالہ سے جہاں محدثین کا نقد ہے تو وہاں رضی الاسلام ندوی نے دوسرے محدثین کے ذریعہ سے ان کی ثقاہت بیان کی ہے۔ ابن اسحاق کے حوالہ سے مولانا رضی الاسلام ندوی نے مولانا فراہی کی اپنی کتاب القائد الیٰ عیون العقائد کی ایک بحث کے تحت ان کی روایت کو لینے پر تبصرہ کیا ہے کہ مولانا فراہی نے صحابہ سے مشاورت کی بات کرتے ہوئے ابن اسحاق سے ایک روایت نقل کی ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر جب آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت حباب بن منذرؓ نے پوچھا کہ آپ ﷺ وحی الٰہی سے ادھر ٹھہرے ہیں یا جنگی تدبیر و مصالحت سے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنگی تدبیر و مصالحت سے تب حضرت حباب بن منذرؓ نے اس سے زیادہ موزوں ایک دوسری جگہ بتائی اور آپ ﷺ نے تصویب فرمائی۔[۱۹] اس روایت کو لینے کے بعد مولانا فراہی کے پاس کیا جواز ہے کہ ابن اسحاق پر کی گئی جرح کو بیان کریں۔ اسی طرح مولانا نے شعروں کا ناقدانہ جائزہ لے کر ثابت کیا ہے کہ اشعار سے لغوی استدلال غلط ہے۔

چوتھا باب بھی مکتبِ فراہی کے موقف حدیث سے ہی متعلق ہے، اس باب میں مصنف نے مولنا فراہی نے ایک نامکمل تصنیف "احکام الاصول باحکام الرسول" کا تعارف کرایا ہے، اس باب میں مصنف نے اس غیر مطبوعہ کتاب کے اقتباسات نقل کئے ہیں، یہ اقتباسات کیسے مصنف کو ملے، اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "قرآن و حدیث کے باہمی تعلق کے سلسلہ میں مولنا فراہی کی ایک اہم تصنیف احکام الاصول باحکام الرسول ہے، افسوس کہ اب تک اس کی اشاعت نہ ہو سکی ہے، کچھ عرصہ قبل مولنا فراہی پر ڈاکٹر معین الدین اعظمی کا تحقیقی مقالہ "الفراہی واثرہ فی تفسیر القرآن" دیکھنے کو ملا، جس پر انہیں شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی جانب سے ۱۹۶۸ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی ہے، اس میں انہوں نے مولنا فراہی کے مخطوطات سے بھی استفادہ کیا ہے اور دوسرے غیر مطبوعہ رسالوں کے ساتھ مذکورہ تصنیف احکام الاصول کے بھی متعدد اقتباسات نقل کئے ہیں، چوں کہ مولنا کی یہ تصنیف اب شائع نہ ہو سکی ہے، اس لئے یہاں ان اقتباسات کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے، کہ ما یدرک کلہ لایترک جلہ، تاکہ قرآن و حدیث کے مابین باہمی تعلق کے سلسلہ میں مولانا کی تحقیقات لوگوں کے سامنے آسکیں، اس وقت مولانا کی ان تحریروں پر تبصرہ یا جائزہ کا موقع نہیں ہے۔"[۲۰]

آخری باب میں مصنف نے مناسک حج کے حوالے سے مولنا فراہی کے بعض تاریخی تفردات کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے، مناسک حج کے حوالے سے مولنا فراہی کے تفردات کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

"اس سلسلہ میں ماضی قریب میں مولنا حمید الدین فراہی کے نئے خیالات سامنے آئے ہیں، اور غالبا انہی سے متاثر ہو کر ان کے بعض رفقاء اور شاگردوں نے بھی انہیں اپنی تصنیفات میں بیان کیا ہے، سطور ذیل میں انہی کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا، اس سلسلے میں تین باتیں زیر بحث آئیں گی :

صفا و مروہ کے درمیان سعی حضرت ہاجرہ کی بے تابانہ دوڑ کی یادگار ہے یا حضرت اسماعیل کو قربان کرنے کے لئے حضرت ابراہیم کی سعی کی ؟

حضرت اسماعیل کی قربانی سے متعلق حضرت ابراہیم کے خواب کی حقیقت کیا ہے ؟وہ عینی تھا یا تمثیلی اور اس سے مراد اللہ کے گھر کی خدمت کے لئے وقف کر دینا تھا؟

رمی جمار کس واقعہ کی یادگار ہے ؟ شیطان کے بہکانے پر حضرت ابراہیم کے اسے کنکر مارنے کی ؟ یا ابرہہ کی فوج پر اہل مکہ کے کنکریاں مارنے کی ؟ "[۲۱]

اور کتاب کے آخر میں رمی جمار کے نام سے سرخی قائم کر کے مولانا فراہی کے اس تصور پر نقد کیا گیا ہے کہ رمی جمار اصل میں واقعہ فیل کی یادگار ہے نہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی شیطان کو کنکریاں مارنے کی۔ رضی الاسلام نے مولانا فراہی کے اس تصور کے رد میں صحیح احادیث بھی پیش کی ہیں اور اس تصور کو کہ رمی جمار کے وقت اگر ذہن میں شیطان کا تصور ہو تو جذبہ وجوش محسوس نہیں ہوتا اور اگر واقعہ فیل کا تصور ہو تو اللہ کے مقدس گھر کے پاسبانوں کے لیے نصرت الہی کی یاد تازہ ہو گی اور خوب جوش وجذبہ والی کیفیت ہو گی، کو مولانا فراہی کی ذہنی اختراع قرار دیا ہے۔[۲۲]

ان تین عنوانات پر مفصلا بحث کی ہے ، یوں یہ کتاب مکتبِ فراہی کے اہم مباحث کا تفصیلی ناقدانہ جائزہ ہے۔

۲. اصول اصلاحی اور اصول غامدی کا تحقیقی جائزہ

یہ کتاب 'اصول اصلاحی اور اصول غامدی کا تحقیقی جائزہ' عبدالوکیل ناصر نے لکھی ہے۔ ادارہ اشاعت قرآن و حدیث پاکستان نے کراچی سے شائع کی ہے۔ جناب عبدالوکیل ناصر نے ابواب بندی کے بغیر مختلف مباحث قائم کیے ہیں جیسے حدیث وسنت میں فرق اور اس کا تجزیہ، اصول اصلاحی کا تجزیہ ، قرآن وحدیث کے بارے میں غیر متوازن خیالات، اصول اصلاحی حدیث وسنت قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی اور نسخ القرآن بالحدیث کا تجزیہ، غامدی صاحب کی تعریف سنت، غامدی کے اصولوں کا تجزیہ، مبادی تدبر حدیث وغیرہ۔ یہ کتاب ایک سو چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع میں مولانا امین احسن اصلاحی کا دعوی کے نام سے ان کی کتاب مبادی تدبر حدیث کے دیباچہ سے اقتباس دیا گیا ہے کہ اس مضمون میں وہ اصول و مبادی میں نے بیان کر دیئے ہیں جو احادیث کو سمجھنے اور ان کی صحت و سقم کا فیصلہ کرنے کے لئے ضروری سمجھتا ہوں اور جن کو میں نے ملحوظ رکھا ہے۔

گویا شروع میں مولانا امین احسن اصلاحی کے ہاں حدیث کی حجیت اور اصول و مبادی پر ہی نقد کیا گیا ہے اور ان کے دعوی کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ حدیث وسنت سے متعلق فریقین کی بحث چوراسی صفحات پر مشتمل ہے جس کے بعد غامدی صاحب کے اصولوں اور کتابوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

مبادی تدبر حدیث اور اصول و مبادی پر تبصرہ

مصنف نے حدیث فہمی کے حوالے سے مولانا امین احسن اصلاحی اور جاوید احمد غامدی صاحب کے اصولوں کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔اس میں مولنا اصلاحی کے مبادی تدبر حدیث اور غامدی صاحب کی کتاب اصول و مبادی میں مذکور بعض اصولوں پر نقد کیا ہے، مصنف کا لب و لہجہ ذرا سخت ہو گیا ہے، مذکورہ دونوں کتب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "مولنا امین احسن کی: مبادی تدبر حدیث "تدبر سے زیادہ تمسخر کی راہ دکھاتی ہے، کہ کبھی قرآن کو سنت کی جھولی میں ڈال دیا اور کبھی سنت کے اثبات کے لئے قرآنی اساس نہ ملنے کی وجہ سے سنت کو گویا طلاق سے نواز دیا، کبھی بلا دلیل ہی احادیث کو ضعیف، موضوع اور کبھی برہمنیت کی بدبو سے اٹا ہوا کہہ دیا، تضاد بیانی اس قدر کہ گویا مصنف خیال پراگندہ کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں، شاگرد موصوف جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی اصول و مبادی دیکھیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ مبادی تدبر حدیث کا ملغوبہ وچربہ ہے، جسے نئے لبادہ میں پیش کر دیا گیا ہو، مسمّٰی ایسا کہ اسم اس کا مخالف دکھائی دیتا ہے، کوئی بھی اصول کسی اصل و نقل پر دکھائی نہیں دیتا۔"[۲۳]

اس کتاب مذکورہ حضرات کے درجہ ذیل اصولوں پر نقد کیا ہے:

۱. حدیث وسنت میں فرق کا اصلاحی نظریہ
۲. نسخ القرآن بالحدیث کے انکار کا اصول
۳. حدیث کو پرکھنے کے لئے مولنا اصلاحی کے بیان کردہ معیارات کا ناقدانہ تجزیہ
۴. مبادی تدبر سنت میں غامدی صاحب کے ذکرہ کردہ سات بنیادی اصولوں کا محاکمہ
۵. عقل وفطرت کے مفاہیم اور اصلاحی وغامدی صاحبان کا نظریہ

ان اصولی مباحث کے ساتھ کتاب میں ضمنی بھی اہم مباحث آئے ہیں، کتاب کے لب و لہجہ کی سختی کے باوجود یہ کتاب حدیث وسنت کے حوالے سے مکتب فراہی کے دو حضرات مولنا امین احسن اصلاحی وجاوید احمد غامدی صاحبان کے اصولوں کا اچھا نقد پیش کرتی ہے۔ذیل میں کتاب سے ایک تنقیدی عبارت نقل کی جاتی ہے تاکہ مصنف کے منہج نقد کا اندازہ ہو سکے۔

حدیث وسنت میں فرق کا اصلاحی نظریہ

حدیث وسنت کے فرق پر اصلاحی صاحب کے موقف پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "جناب امین احسن اصلاحی صاحب اپنے اس دعوی پر قائم نہ رہ سکے کہ ان کی یہ کتاب ائمہ حدیث کی مستند کتب سے ماخوذ ہے، کیونکہ انہوں نے حدیث اور سنت کے اس "زمین وآسمان" کے فرق پر کسی بھی امام کا کوئی قول نقل نہیں کیا، اصطلاحات المحدثین کو بدل ڈالنے کو مولنا خود بھی منکرین حدیث کی جسارت قرار دیتے ہیں (دیکھیے مقدمہ تدبر قرآن) لیکن تدبر حدیث پڑھنے والے جانتے

ہیں کہ مولنا کے یہ فتوے کی زد خود ان پر پڑتی ہے، باقی رہا یہ دعوی کہ "دونوں کا مقام و مرتبہ الگ الگ ہے، تو اس کی بھی کوئی دلیل انہوں نے "ائمہ حدیث کی مستند کتب" سے نہیں دی اور نہ خود ہی کوئی "مقام و مرتبہ "الگ الگ بیان کیا آخر کیوں ؟

جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ حدیث اس روایت کا نام ہے، جس میں قول و فعل رسول ﷺ کا بیان ہوا ہو تو پھر اسے سنت سے کیسے جدا کیا جا سکتا ہے کہ وہ تو سنت ہی بیان کرتی ہے اور بس۔۔۔؟

ائمہ سلف صالحین میں حدیث و سنت میں "اصطلاحا "اس طرح کا فرق کبھی نہیں کیا، بلکہ دونوں کو مترادف اور ہم معنی کہا ہے۔" [۲۴]

۳. اصول تفسیر میں نظم قرآن کی روایت کا تاریخی و تحلیلی مطالعہ

یہ دراصل ایم فل کا مقالہ ہے، جس پر محقق کو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ایم فل کی ڈگری تفویض کی گئی ہے، یہ مقالہ اصلا نظریہ نظم پر لکھا گیا ہے، چونکہ نظم قرآن پر کسی بھی کام سے مولنا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کے نظریے کو الگ نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اس میں ضمناً مکتب فراہی کے نظریہ نظم پر بھی مفصل بحث کی گئی ہے، اس کتاب کے باب دوم " نظریہ نظم کے حامی علماء اور ان کا موقف " میں ایک مستقل فصل میں مکتب فراہی کے نظریہ نظم کو بیان کیا گیا ہے، اس میں مولنا حمید الدین فراہی اور مولنا امین احسن اصلاحی رحمھما اللہ کی کتب سے ان کے نظریہ نظم کو بالتفصیل بیان کیا ہے، اس فصل میں تو مقالہ نگار نے مکتب فراہی پر کوئی نقد پیش نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے نظریے کی تفہیم کی کوشش کی ہے، البتہ مقالے کے آخر میں نظریہ نظم میں متوازن رائے کی کھوج کرتے ہوئے مکتب فراہی کو نظم کے قائلین کے اس طبقے میں شمار کیا، جنہوں نے اس بارے میں حدود سے تجاوز کرتے ہوئے نظم کے موقف میں سختی سے کام لیا ہے، چنانچہ مقالہ نگار " نظریہ نظم کا سخت قائل طبقہ " کا عنوان باندھتے ہوئے لکھتے ہیں :

> " تیسرا طبقہ پورے التزام اور سختی سے نہ صرف یہ کہ ایک سورت کی تمام آیات کو ایک دوسرے سے مربوط مانتا ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ایک سورت کا دوسری سورت سے نظم قائم کرتا ہے اور اول تا اخر قرآن مجدی کو مکمل مربوط و منظّم کتاب کی صورت میں پیش کرتا ہے، ان کا موقف یہ ہے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے اور لوح محفوظ کے عین مطابق ہے، ترتیب نزولی اور ترتیب کتابت کا فرق اس امر کی دلیل ہے کہ آیات قران میں باہم نظم موجود ہے، ان کے نزدیک نظم کا سمجھ لینا ہی قرآن حکیم کی شاہ کلید کو پالینا ہے، قرآن مجید ایک مرتب، مربوط اور منضبط کلام ہے اور اس کی تمام سورتیں اور سورتوں کی تمام آیتیں باہم دگر اس طرح پیوست ہیں کہ اگر اس میں سے کسی سورت کو یا کسی آیت کو نکال دیا جائے یا کسی سورت کی کسی آیت کو مقدم یا موخر کر دیا جائے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، اس مکتبہ فکر کے علما سورت میں ایک مرکزی مضمون ، ایک دعوی، ایک جماع عمود تلاش کرتے ہیں اور پھر اس سورت کے تمام اجزا کو اس سے وابستہ

قرار دیتے ہیں ،اس طبقہ میں مولنا حمید الدین فراہی ، مولنا حسین علی ،امین احسن اصلاحی اور ڈاکٹر عبد اللہ دراز وغیرہ شامل ہیں۔"[۲۵]

اس کے بعد آخر میں اس نقطہ نظر پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"کتاب اللہ میں نظم وترتیب کے اعتراف کے ساتھ سخت گیر نظم قرآن پر اصرار مناسب نہیں ،اکیلے صرف نظم قرآن کو ہی فہم قرآن کی کلید باور کرانا مبالغہ آمیزی ہے۔"[۲۶]

یہ کتاب اصلا نظریہ نظم کا تاریخی و تحلیلی تجزیہ پیش کرنے کے باوجود مکتب فراہی پر تنقیدی مواد میں شمار ہوتی ہے

۴. تفسیر تدبر قرآن : ایک تنقیدی جائزہ

یہ جناب حافظ افتخار احمد کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے ،جس پر محقق کو اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی ،اس مقالے میں مصنف نے تدبرِ قرآن کا ایک تنقیدی جائزہ لیا ہے ، مقالہ درجہ ذیل مباحث پر مشتمل ہے :

۱. مولانا امین احسن اصلاحی
۲. تفسیر تدبر قرآن کی غرض وغایت
۳. اصلاحی صاحب کے نزدیک فہم قرآن کے وسائل (داخلی وسائل، خارجی وسائل)
۴. تدبر قرآن کے تفسیری ماخذ اور ان سے استفادہ کی نوعیت
۵. حدیث نبوی کے بارے میں اصلاحی صاحب کا مؤقف
۶. قدیم آسمانی صحیفے ،شانِ نزول اور تدبر قرآن
۷. تدبر قرآن اور اسرائیلیات
۸. نسخ کے بارے میں اصلاحی صاحب کا مؤقف
۹. نظم (ربط) قرآن کے بارے میں اصلاحی صاحب کا مؤقف
۱۰. فقہی مسائل کے بارے میں اصلاحی صاحب کا منہج

ان دس عنوانات کے تحت تفسیر تدبرِ قرآن کا ایک تفصیلی جائزہ سامنے آتا ہے۔اس قسم کے مباحث قائم کرنے کے بعد ہر ایک کے ذیل میں تفصیل سے بحث کی گئی ،اہم بحث تدبر قرآن کے تفسیری مآخذ اور ان سے استفادہ کی نوعیت ہے۔ اس میں تدبر قرآن کے مقدمہ سے خود مولانا اصلاحی کے قلم سے جو وضاحت کی گئی ہے اسی کو نقل کر دیا گیا ہے۔ جن تفسیروں کو زیر مطالعہ رکھا گیا ان میں تفسیر طبری، تفسیر زمخشری اور تفسیر کبیر یعنی مفاتیح الغیب خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان تفاسیر کے علاوہ اپنے استاد حمید الدین فرہی کے تفسیر نظام القرآن کو بنیادی مآخذ کے طور پر مان کر اس کے بعض تفسیرات کو ہو بہو نقل کر دیا گیا ہے۔

ان تفاسیر سے استفادہ کی نوعیت کے بارے میں مولانا اصلاحی کا یہ اقتباس نقل کیا ہے ''ہمارا طریقہ تفسیر یہ ہے کہ ہم ہر سورۃ اور ہر آیت پر اس کے الفاظ، اس کے سیاق و سباق کے نظم اور قرآن میں اس کے شواہد نظائر کی روشنی میں غور کرتے ہیں، اس طرح جو باتیں سمجھ میں آجاتیں ہیں۔ مزید اطمینان کے لئے ان تفسیروں میں دیکھ لیتے ہیں جس نتیجے تک ہم پہنچتے ہیں ان کی تائید اگر تفسیروں سے بھی ہو جاتی ہے تو اس سے مزید اطمینان ہو جاتا ہے اگر تفسیروں سے اس کی تائید نہیں ہوتی تو اس پر غور و فکر جاری رکھتے ہیں تاآنکہ یا تو اپنی غلطی دلائل کے ساتھ واضح ہو جائے یا تفسیروں میں جو بات ہے اس کے ضعف کے جوہ و دلائل سامنے آجائیں ہمارے نزدیک تفسیرون سے فائدہ ٹھانے کا صحیح طریقہ یہی ہے۔[27]

حدیث نبوی ﷺ کے بارے میں مولانا صلاحی کا مؤقف بیان کرتے ہوئے نقد کیا ہے کہ حدیث متواتر کے بارے میں تو تواتر عملی پر اعتماد کرتے ہیں اور تواتر نقلی کا انکار کرتے ہیں۔ اخبار آحاد پر ان کا اعتماد نہ ہونے کے برابر ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر میں حدیث نبوی کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔ اور مزید حیرانگی کی بات یہ ہے کہ بعض مقامات پر تو انہوں نے محض لغت اور اپنی عقل پر اعتماد کرتے ہوئے صحیح احادیث کو چھوڑ دیا ہے جن کو امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں ذکر کیا ہے۔ جن میں مطلقہ ثلاث کی اپنے پہلے خاوند کے لئے حلت اور محصن زانی کے رجم کے مسائل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

نسخ کے بارے میں مولنا امین احسن اصلاحی کا موقف بیان کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں :

" نسخ القرآن کے بارے میں اصلاحی صاحب کے مؤقف کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ نہ تو اس کا انکار کرتے ہیں اور نہ اس میں بہت زیادہ وسعت کے قائل ہیں بلکہ اس سلسلے میں انہوں نے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے البتہ نسخ قرآن کی اقسام کے بارے میں وہ صرف نسخ القرآن بالقرآن کے قائل ہیں (۴۶)۔ جو جمہور مفسرین کے رائے ہیں اور نسخ القرآن بالسنہ کے قائل نہیں ہیں (۴۷) یہ مؤقف اس سے پہلے جن آئمہ کرام نے اپنا یا ان میں امام محمد بن ادریس الشافعی (۴۸) کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔"[28]

اسی طرح اسرائیلیات کے بارے میں مولنا اصلاحی کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" تفسیر ''تدبر قرآن'' اس لحاظ سے دوسری بہت سی قدیم اور جدید تفاسیر سے ایک ممتاز مقام رکھتی ہے کہ اس میں ان اسرائیلیات سے مکمل اجتناب کیا گیا ہے جن سے عصمت انبیاء داغدار ہوتی تھی یا بے سر و پا لغو عبارات جو اخلاقی لحاظ سے قابل قبول نہیں۔ اور تفسیر کے سلسلے میں بات کو صرف اس حد تک محدود رکھا گیا ہے جس پر قرآنی الفاظ دلالت کرتے تھے۔ ان روایات میں اکثر کا تعلق چونکہ انبیاء علیھم السلام سے ہے اس لئے اصلاحی صاحب نے بڑی خوبصورتی اور کامیاب طریقے سے عصمت انبیاء کا دفاع کیا ہے۔"[29]

یہ کتاب تفسیر تدبرِ قرآن کا ایک مکمل تنقیدی جائزہ ہے۔

۵. تدبر قرآن پر ایک نظر

یہ کتاب جامعۃ الفلاح کے شیخ التفسیر معروف عالم مولانا جلیل احسن ندوی کے نظرات ہیں۔ جو ماہنامہ زندگی رام پور میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور یہ بات اس کتاب پر 'احوال واقعی' کے الفاظ سے تقریظ لکھتے ہوئے مدیر ماہنامہ زندگی مولانا سید احمد عروج قادری مرحوم کے الفاظ سے بھی مترشح ہے۔ یہ نظرات قرآنی سورتوں کی ترتیب سورۃ البقرۃ سے سورۃ الاعراف اور پھر سورۃ الفتح کی ایک آیت پر مشتمل ہیں۔ ان سورتوں کی مختلف آیات کے ذیل میں جناب امین احسن نے جو ترجمے کیے یا پھر تفسیر لکھی اس پر نقد مولانا جلیل احسن ندوی نے لکھا ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے تدبر قرآن میں بعض تسامحات کی نشاندہی کی ہے، یہ کتاب دراصل مولانا ندوی کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے دورانِ مطالعہ مرتب کی تھیں اور ان کا ایک بڑا حصہ مختلف رسائل میں چھپتا رہا، کتاب کا تعارف کراتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

> " کوئی بھی مصنف جو ہزاروں صفحات پر مشتمل کوئی کتاب لکھتا ہے، غلطیوں، تسامحات اور فروگزاشتوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا، کیونکہ وہ انسان ہے، نبی نہیں ہے، مولانا اصلاحی صاحب کی یہ تفسیر بھی ان سے پاک نہیں ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے کہ اس کارِ عظیم کو بہتر سے بہتر شکل میں پیش کر دیں، میں تدبر قرآن پر نظرات نہ لکھتا اگر انہوں نے بلا طلب اجازت نہ دی ہوتی، جس طرح دوسری تفسیروں میں نے اب تک کوئی گفتگو نہیں کی ہے۔ "[۳۰]

اس کتاب میں سورۃ الاعراف تک تدبر قرآن میں موجود بعض تسامحات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

سورۃ البقرہ کی پہلی آیت پر نقد

آغاز کتاب میں سورۃ البقرۃ کی پہلی آیت لکھی ہے اور تدبر قرآن سے اس کا ترجمہ بھی ذکر کیا ہے۔ "یہ کتاب الٰہی ہے اس کے کتاب الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے ڈرنے والوں کے لیے"[۳۱] پھر تفسیری حصہ نقل کیا گیا ہے: "جو چیز مخاطب کے علم میں ہے یا جس کا ذکر گفتگو میں آچکا ہے اگر اس کی طرف اشارہ کرنا ہو تو وہاں ذٰلک استعمال کریں گے"[۳۲] اس پر نقد فقط یہ کیا ہے: "اس پر عرض ہے کہ تب تو اس کا ترجمہ 'وہ' سے کرنا چاہیئے نہ کہ 'یہ' سے"

اسکے بعد تفسیر سے اقتباس لیا ہے۔ "یہاں ذٰلک کا اشارہ سورۃ کے نام کی طرف ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ الم قرآن عظیم کا ایک حصہ ہے"[۳۳] اس پر مولانا جلیل احسن ندوی لکھتے ہیں اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ذٰلک کا اشارہ سورت کے نام یعنی الف لام میم کی طرف ہے تو ترجمہ یوں ہوگا: اس سورۃ کا نام الف لام میم ہے۔ یہ کتاب الٰہی ہے۔ اس سورۃ کے کتاب الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں یہ سورۃ ہدایت ہے ڈرنے والوں کے لیے[۳۴]

حالانکہ اس کے بعد جو گفتگو کی ہے وہ سورۃ کا نام لے کر نہیں کی۔ چنانچہ اس بات کو نقد سے ثابت کیا گیا کہ نہ تو ذلک کا ترجمہ 'یہ' سے صحیح ہے اور نہ ہی یہ اشارہ سورۃ کے نام کی طرف ہونا درست ہے۔ مولانا جلیل ندوی نے اس کی توضیح میں یہ عبارت لکھی ہے کہ وہ کتاب کہ جس کے بارے میں موسیٰؑ اور انبیاء بنی اسرائیل پیش گوئی کر چکے تھے۔ اور یہود سے اس پر ایمان لانے کا عہد و پیمان بھی کر چکے تھے جب سب کچھ کو کرنے کے بعد اب نبی کی بعثت بنی اسرائیل کے گھرانے سے باہر اُمی عربوں میں ہوئی تو اپنی قیادت و سیادت کی پشتی گدی چھن جانے کے خوف سے اس کا انکار کر بیٹھے تو ان کو بطور سرزنش کہا جارہا ہے کہ وہ کتاب جس کا تم سے عہد و پیان لیا گیا اور وعدہ کیا گیا تھا اور جس کی آمد کے تم منتظر تھے وہ یہی کتاب ہے۔ مولانا جلیل احسن ندوی نے نہ صرف ان پر نقد کیا بلکہ ساتھ ہی یہ فقرہ بھی داغ دیا'' میرے علم کی حد تک کسی نے یہ ترجمہ نہیں کیا سوائے تیسیر القرآن کے مصنف کے، سب نے وہی کمزور ترجمہ کیا ہے جو مولانا اصلاحی نے کیا ہے ''[۳۵]

یہودیوں کی حمایت پر نقد

اس طرح نقد کا سلسلہ شروع کیا اس کے بعد اسی سورۃ کی آیات ۸ تا ۲۰ لی ہیں اور ان کا ترجمہ بھی تدبر قرآن سے دیا ہے، اور نقد کیا ہے کہ منافقین کے گروہ کو یہودی منافق اور مدنی منافق میں تقسیم کرنے کی بجائے یہودیوں میں ہی دو گروہ منافقین کے مان لئے گئے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ میں قبولیت حق کی صلاحیت زیادہ مان لی گئی۔ کس بنیاد پر؟ اور الفاظ یہ استعمال کئے کہ خود بقول مولانا دوسرے کھلے دشمنان اسلام یہودیوں کی طرح ان میں بھی مخالفت ان سے کم نہیں اور احساس برتری بھی ان کے اندر بدرجہ اتم موجود ہے اور حسد کی آگ سے بھی بھرے پڑے ہیں تو مولانا کیوں انہیں ہدایت کا الاؤنس دے رہے ہیں[۳۶]

مخاطب کی تبدیلی پر نقد

سورۃ البقرہ آیت ۲۱ تا ۲۹ کو موضوع بنا کر جناب مولانا جلیل احسن ندوی تدبر قرآن کی عبارات نقل کرتے ہیں جن میں مولانا اصلاحی ان آیات کا مصداق اور مخاطب یہود سے صرف نظر کر کے فقط مشرکین مکہ کو قرار دیتے ہیں۔ مولانا جلیل اس غلط فہمی پر نقد کرتے ہیں اور دلائل کے طور پر انہی آیات کے الفاظ یا ایھا الناس اور وقودھا الناس والحجارۃ اور قرآن مجید کی دوسری سورہ مبارکہ سے بھی دلائل پیش کرتے ہیں کہ یہ آیات یہود اور مشرکین دونوں گروہوں کو مخاطب کر رہی ہیں اور اس پر مستزاد خود تدبر کا ایک اقتباس (ج۱، ص: ۱۳۰) پیش کرتے ہیں جس میں مولانا اصلاحی خود اقرار کر رہے ہیں کہ شروع سورۃ سے یہاں تک (یابنی اسرائیل اذکروا سے لے کر کی آیتیں) اگرچہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے مگر اشارہ و کنایہ سے یہود ہی سے متعلق سب کچھ کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اہم نکتہ جو دوران مطالعہ سامنے آیا وہ یہ ہے کہ اسی بحث پر ایک حاشیہ میں اس کتاب کے مرتب جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی نے یہ نوٹ دیا ہے:

> ''مولانا جلیل احسن صاحب مرحوم نے ان آیات کی تفسیر میں جو سوالات قائم کئے ہیں نہایت اہم اور وقیع ہیں، مگر کچھ دوسرے مفسرین نے بھی یہود کے بجائے خطاب کو عام لیا ہے ملاحظہ ہو ابن

کثیر جلد ا ص: ۵۶، تفہیم القرآن از مولانا مودودیؒ حاشیہ نمبر ۲۱، فتح القدیر ج ا، ص: ۵۰، فی ظلال القرآن، ج ا، ص: ۵۱"[۳۷]

لیکن اس بات پر حیرت ہے کہ اوپر کی عبارات میں مولانا جلیل احسن ندوی تو خود اس بات کو ہی باور کرا رہے ہیں کہ خطاب مشرکین سے نہیں بلکہ عام ہے اور اس میں یا ایھاالناس کی مثال بھی پیش کی ہے اور آخری تبصرہ تو مولانا اصلاحی کے اقرار پر ہے کہ جب آپ آخر میں اقرار کر رہے ہیں تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مخاطب یہود ہیں۔ اور آخری سطر کہ "یہود سے صرف نظر کر کے مشرکین عرب کو مخاطب نہیں کیا گیا" خود وضاحت کر رہی ہے کہ ایک گروہ سے صرف نظر کر کے دوسرے کو مخاطب نہیں بلکہ بالخصوص یہود اور بالعموم سب انسان مخاطب ہیں۔

لفظ اھبطوا کی مراد آدم، حوا اور ابلیس پر نقد

اس کے بعد سورۃ البقرہ آیت ۳۶ میں لفظ اھبطوا زیر بحث آیا کہ مولانا اصلاحی اس سے آدم حوا اور ابلیس تینوں مراد لیتے ہیں۔ اور اپنی رائے کی دلیل کے طور پر ابن عباس کی رائے اور لفظ جمیعاً کا سہارہ لیتے ہیں۔ اس پر نقد کیا گیا کہ ابن زید کی رائے ابن عباس کے مقابلہ میں اصح ہے کہ اھبطو سے مراد صرف آدم و حوا اور ان کی ذریت ہے۔ اور اس نقد میں دلیل یہ پیش کی ہے کہ جمعیاً سے اگر تائید حاصل کی جائے گی تو بعض دوسری آیات جیسے بقرہ ۳۸، ۳۹ اور سورۃ اعراف آیت ۲۴ کے ترجمہ میں خلل واقع ہو گا۔ اور ترجمہ اس طرح ہو گا" اے آدم، اے ہوا، اے ابلیس تم تینوں زمین پر جاؤ زمین میں تمہیں رہنا سہنا ہو گا اور ایک وقت تک سامان زیست برتنے کا تمہیں موقع دیا جائے گا" (اعراف ۲۴) اور پھر (اعراف ۲۵) کا ترجمہ یوں ہو گا" اے آدم، اے حوا، اے ابلیس! تم تینوں اسی زمین میں زندہ رہو گے اور اسی زمین پر تم تینوں مرو گے اور اسی سے حساب کتاب کے لئے زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے" اس میں ابلیس کے مرنے کو بھی ماننا پڑے گا جو قیامت تک کے لئے زندگی کا لائسنس لے چکا ہے۔

ترجمہ میں بھی اختلاف

سورہ بقرہ آیت ۴۹ میں بلاء کے ترجمہ میں بھی اختلاف ہوا۔ مولانا اصلاحی نے اس کا ترجمہ آزمائش کیا ہے، اس پر مولانا جلیل احسن ندوی کی طرف سے نقد یا گیا کہ یہ ترجمہ کر کے مولانا نے فاش غلطی کی، اس کا صحیح ترجمہ جیسا کہ شاہ عبد القادر نے کیا ہے وہ ہے" یعنی فرعون قبضہ سے چھڑانا تمہارے رب کی طرف سے عظیم احسان ہے" یعنی بلاءٌ سے یہاں مراد انعام ہے، بقول مولانا جلیل احسن کے کہ یہ معنی عربی زبان میں مستعمل بھی ہیں اس پر اتنا تبصرہ کیا جا سکتا ہے کہ اس غلطی کو فاش غلطی نہ گردانا چاہیے کیونکہ آزمائش میں کامیابی پر انعام ہی ہوا کرتا ہے گویا آزمائش بول کر انعام مراد ہے۔

بقرہ آیت ۵۸، ۵۹ میں مولانا امین احسن اصلاحی نے ان لوگوں پر نقد کیا ہے جو اس آیت میں قول کی تبدیلی کو عمل کی اور رویہ کی تبدیلی سے عبارت مانتے ہیں۔ مولانا اصلاحی نے ان کو کہا کہ یہ قرآن مجید کے الفاظ سے صریح انحراف ہے، اس نقد پر مولانا جلیل احسن ندوی نے نقد کیا ہے کہ خود تو مولانا دوسری کئی جگہوں پر قول سے عمل اور رویہ مراد لیتے ہیں۔ اور دوسروں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔

بنی اسرائیل کا مسخ عقلی اور روحانی پر نقد

صفحہ ۳۴ پر مولانا احسن ندوی نے کونو قردۃ خاسئین والی آیت کے ذیل میں مولانا امین احسن اصلاحی کی عبارات سے یہ نقد کیا کہ ان کے نزدیک مسخ عقلی اور روحانی مراد ہے۔ مولانا جلیل ندوی فرماتے ہیں اس سے ہمیں اختلاف ہے ہماری رائے یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے بندر بن گئے اور یہی رائے جمہور علماء تفسیر کی ہے اور یہ رائے قرآن کے الفاظ سے بہت زیادہ ہم آہنگ ہے۔

اس نقد میں قرآن مجید کے الفاظ سے ہم آہنگ ظاہری معنی ہو سکتا ہے البتہ ایسا قرینہ جس سے یہ بات نکلتی ہو کہ 'روحانی مسخ تھا' نہیں پایا جاتا۔

دیگر ترجمہ اور تعبیرات پر نقد

بقرہ آیت ۲۷، ۳۷ میں گائے کے ذبح اور گوشت کا ٹکڑا مردے سے مسخ کرنے کے حوالہ سے مولانا اصلاحی فرماتے ہیں مجھے قسامہ کے حوالہ سے گمان ہوتا ہے کہ گائے کے خون کو مقتول پر چھڑ کو کہ اور سب سے قسم لو، اس پر بھی نقد کیا گیا۔

بقرہ آیت ۸۸ میں قلیلاً مایومنون کا ترجمہ اصلاحی صاحب کا ہے 'تو وہ شاذ و نادر ہی ایمان لائیں گے'[38] اس پر نقد کیا ہے کہ قلیل بمعنی نفی ہے اور ما نفی میں تاکید کے لئے آتا ہے اور یہ مفعول مطلب ہے یعنی یومنون ایماناً قلیلاً ما یعنی یہ بالکل ایمان نہیں لائیں گے۔

اسی طرح سورہ بقرہ میں مزید آیت ۹ تا ۱۰۳ اور آیت ۱۰۲، پر عبارات کے تراجم پر نقد کیا کہ مطلب کی تبدیلی در آتی ہے اس طرح آیت نمبر ۱۱۵ (وللہ المشرق والمغرب) میں مولانا اصلاحی نے جو تاویل پیش کی ہے کہ یہود مغرب کو اور انصاری مشرق کو قبلہ بنانے لگے اور آپس میں جھگڑنے لگے تو اللہ کریم نے فرمایا کہ جھگڑے والی بات نہیں جدھر بھی رخ کریں گے خدا ہی کی طرف کریں گے[39]

اس پر مولانا ندوی نے نقد کیا ہے کہ یہ تو یہود و نصاریٰ کو سند جواز دینے کے مترادف ہے، یہ تاویل فاسد ہے اصل میں قبلہ کی تبدیلی کے مسئلہ پر جو فساد یہود کی طرف سے متوقع تھا اس کے پیش خیمہ کے طور پر یہ آیات نازل کی گئیں ہیں۔

اس طرح آیت ۱۳۸ صبغۃ اللہ ---عابدون میں مولانا اصلاحی نے مخاطب یہود کو قرار دیا ہے کہ ان کو دعوت دی جارہی ہے کہ باقی سب رنگ چھوڑ کر اللہ کے رنگ کو اختیار کرو اس پر مولانا جلیل احسن ندوی نے نقد کیا کہ اس آیت میں خطاب ایمان والوں کو ہے اور یہ بات اس آیت کے آخری حصہ نحن لہ عابدون پر غور کرنے سے بھی مستفاد ہوتی ہے۔ اس پر مرتب نے صفحہ ۵۴ کے حاشیہ میں مولانا جلیل احسن ندوی کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے دوسرے مفسرین کی بھی یہی رائے نقل کی ہے۔

سورۃ بقرۃ سے یہ کچھ مثالیں پیش کی گئیں ہیں اسی طرح آل عمران ، النساء ، المائدہ ، الاعراف اور الفتح کی آیات کے ذیل میں بھی خوب نقد کیا گیا ہے اور ظاہری طور پر یہ نقد بہت مضبوط محسوس ہوتا ہے۔

جیسے کتاب میں مذکور آخری آیت سورۃ الفتح کی محمد رسول اللہ و الذین معہ والی کے تحت مولانا اصلاحی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سیما ھم فی وجوھھم سے مراد یہ ہے کہ سجدے کی کثرت سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑ گئے تھے، یہ نشان اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں "[۴] وغیرہ۔اس پر نقد کرتے ہوئے مولانا جلیل احسن ندوی نے" سیما" لفظ کی تشریح عربی شعر سے کی ہے کہ اس سے مراد" خیر و شر جس سے پہچانی جائے" ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کو ان کی پہچان کے لئے پیش کیا ہے۔

اس کتاب میں تدبرِ قرآن کے ستر کے قریب مقامات پر نقد کیا ہے۔اور روایات سے استدلال اور خصوصاً عربی گرائمر کے حوالہ سے یہ نقد بہت اہمیت کا حامل ہے۔

۶. تحفہ اصلاحی

تحفہ اصلاحی ایک سو پینتیس صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔ جو مفتی عبدالواحد نے جناب امین احسن اصلاحی کی کتب 'مبادی تدبر قرآن' اور 'مبادی تدبر حدیث' پر نقد و تبصرہ کے حوالہ سے تالیف کی ہے۔ مذکورہ تنقیدی کتاب میں تین ابواب قائم کیے گئے ہیں۔

۱۔اجماع امت کی مخالفت

۲۔اصلاحی کے اصول حدیث و سنت

۳۔اصلاحی کے اصول تفسیر۔

اس میں پہلے باب کے مباحث میں شادی شدہ زانی کے لیے رجم کے حد ہونے سے انکار اور قراءات کی مختلف نوعیتوں کا انکار شامل ہیں۔دوسرے باب میں حدیث وسنت مترادف ہیں یا نہیں، حدیث اور خبر، حدیث متواتر کے وجود کے بارے میں غلط نظریہ، الکفایہ کی عبارت میں اصلاحی کی تلبیسات وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ تیسرے باب کے مباحث اصلاحی کا طریق تفسیر، اصلاحی کے طریق تفسیر کی وجہ، اصلاحی کی عبارات میں تعارض، اصلاحی کے طریقہ تفسیر و تدبر پر ایک نظر پر مشتمل ہیں۔

اس میں پہلا اور آخری باب بہر حال براہ راست اور بلاواسطہ تفسیر کے میدان سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا زیادہ تر اعتناء ان ہی سے برتا جائے گا۔

مفتی عبدالواحد نے کتاب کے آغاز میں مولانا اصلاحی کی کتاب 'اسلامی قانون کی تدوین' سے دو اقتباسات ذکر کیے ہیں جن میں اصلاحی صاحب نے اجماع کو حجت شرعی تسلیم کیا ہے۔اور ائمہ اربعہ کے اجماع کے خلاف کرنا نا جائز قرار دیا ہے۔ان اقتباسات کے بعد شعر کا مصرعہ 'لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا' لکھ کر شادی شدہ زانی کے لیے رجم کی حد ہونے سے انکار کا عنوان باندھا ہے۔اس عنوان کے تحت فاضل مصنف نے پہلے شادی شدہ زانی کے رجم پر اجماع منعقد ہونے والی عبارات نقل کی ہیں۔ جن میں ابن منذر، ابن حزم اور عنایہ کی عبارات دی ہیں کہ صحابہؓ کا

بھی اس بات پر اجماع تھا۔ اس کے بعد اصلاحی اور فراہی کی طرف سے اجماع کی مخالفت کی وجوہات کو بیان کیا ہے۔اور اس کے لیے ماہنامہ اشراق (مارچ ۸۸، ص۳۹،۳۸) سے مولانا فراہی کی تحریر کو نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ سنت کی تطبیق ہونی چاہیے مجرد ظن کی بناپر ان کے نسخ کا فیصلہ نہیں کر لینا چاہیے۔ البِكرُ بالبِكرِ ؛ جَلدُ مِائةٍ ، و نَفْيُ سَنةٍ ، و الثَّيِّبُ بالثَّيِّبِ ، جَلدُ مائةٍ و الرَّجْمُ،،والی حدیث کا مطلب گناہ کو بار بار دھرانے اور فساد فی الارض کے مرتکب ہونے پر رجم ہے جو کہ خود قرآن مجید میں تقتیل (بری طرح قتل کیے جانے) کے ساتھ وارد ہوا ہے۔اور یہودی عورت کو جو رجم کی سزادی گئی تو وہ توریت کا حکم تھا۔

اس کے بعد تدبر قرآن ج4، ص507 سے اقتباس نقل کیا ہے:

''اس روشنی میں عبادہ بن صامت کی روایت کی تاویل کیجیئے تو اس کا بھی ایک موقع و محل نکل آتا ہے وہ یوں کہ اس میں جو حرف واؤ ہے اس کو جمع کی بجائے تقسیم کے مفہوم میں لیجئے۔۔۔۔''

اس پر تبصرہ کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں جو دو تین واقعات رجم کے پیش آئے تھے مثلاً ماعزؓ اسلمی اور غامدیہؓ کا تو جستجو و تفتیش سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کو پہلی مرتبہ زنا کرنے پر رجم کیا گیا تھا ایسا نہیں تھا کہ بار بار زنا کرنے پر۔ پہلے تو کوڑے لگتے رہے ہوں اور پھر رجم کیا گیا ہو۔ لہٰذا فراہی اور اصلاحی ضابطہ کے مطابق تو انہیں رجم کی سزا نہیں ہونا چاہیے تھی۔

اس کے بعد اصلاحی کی تدبر قرآن ج ۴، ص ۵۰۶ سے وہ اقتباس نقل کیا ہے جس میں انہوں نے ماعز اسلمی صحابی رسول ﷺ پر تہمت باندھی ہے کہ وہ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آرہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے گرفتار کرواکر اپنے سامنے پیش کروایا اور تیکھی نظر سے دیکھا تو وہ اقرار جرم کر گیا۔

اصلاحی اور فراہی کی وہ عبارات جن میں (نا عوذ باللہ من ذالک) ماعز اسلمیؓ اور غامدیہؓ کو بدمعاش اور شرارتی اور فسادی اور باز نہ آنے والے قرار دیا گیا نقل کرنے کے بعد صحیح مسلم سے حدیث پیش کی ہے جس میں ماعز اسلمی کو نبی ﷺ کا تین بار واپس کرنا اور ان کا بار بار خود اقرار کرنا سامنے آتا ہے۔اور پھر نبی کی وہ حدیث کہ جس میں ماعز کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ماعز اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔

مولانا مفتی عبدالواحد اجماع کی مخالفت کی یہ پہلی وجہ بیان کرنے اور اس پر نقد کرنے کے بعد فراہی اور اصلاحی کے ہاں اجماع کی مخالفت کی دوسری وجہ بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ فراہی اور اصلاحی نے دیگر علماء کی نسبت یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کا یہ گمان ہے کہ آیت حد زنا اپنے مفہوم پر باقی نہیں رہی بلکہ سنت سے تبدیل ہو گئی اور پھر سنت بھی ایک ایسے قصے سے تبدیل ہو گئی جس کا موقع ٹھیک معلوم نہیں اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اسے اس کے صحیح محل پر محمول کیا جارہا ہے یا نہیں؟ (اشراق مارچ 88، ص38) اور یہ بھی کہ حدیث میں ضعف کے اتنے پہلو موجود ہیں کہ اس کا قرآن جیسی قطعی الدلالۃ چیز کو منسوخ کر دینا بالکل خلاف عقل ہے۔ انہوں نے مزید وضاحت یہ کی ہے کہ یا تو سنت سے قرآن کے

حکم کو منسوخ کرنا ہے تو وہ تو کسی صورت جائز نہیں اور یا پھر قرآن کے حکم کی تخصیص ہے تو تخصیص ایسی جس کے لیے کوئی قرینہ آیت کے اندر موجود نہ ہو تو وہ نسخ ہو گا جو کسی صورت جائز نہیں ہو سکتا۔

مولانا اصلاحی کی عبارات نقل کرنے کے بعد نقد کرتے ہوئے مفتی عبدالواحد نے اصلاحی کی اپنی عبارات سے یہ بات ثابت کی ہے کہ وہ خود سنت کو مثل قرآن مانتے ہیں کہ وہ تواتر عملی سے اپنے ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور پھر جب نبی ﷺ کو تبیین کی ذمہ داری دی گئی تو کیا وجہ ہے کہ وہ قرآن کی کسی آیت کی وضاحت نہ کر سکیں۔ پھر آخر میں صحیح مسلم کی روایت جس میں عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے لائے ہیں کہ حضرت عمرؓ آیت رجم کے نازل ہونے کا ذکر کر کے کہہ رہے ہیں کہ وہ آیت منسوخ التلاوۃ ہے لیکن منسوخ الحکم نہیں۔[۴۱]

اس کے بعد اصلاحی کی طرف سے قراءات کے اختلاف کا انکار ہے اور اس اختلاف کو تاویل کا اختلاف قرار دیا ہے۔ اس پر مفتی صاحب نے امت کے جمہور کی عبارات نقل کی ہیں اور اصلاحی کی غلطی کی نشاندہی کی ہے۔

اگلی بحث جو دوسرے باب 'اصلاحی کے اصول حدیث وسنت' پر ہے۔ اس میں سنت اور حدیث کو الگ کرنے پر اصلاحی پر نقد کیا گیا ہے جو جمہور امت سے بے دلیل اختلاف ہے۔ جس کی بنیاد پر نہ صرف اختلاف قراءات کا انکار کیا گیا ہے بلکہ نتیجہ کے طور پر متعدد احکام کا بھی انکار کر دیا ہے۔ اس کے بعد تیسرا باب 'اصلاحی کے اصول تفسیر' کے نام سے باندھا ہے۔ اس باب کے شروع میں جمہور کا طریق تفسیر بالماثور نقل کیا ہے۔ جس کو اصلاحی نے مبادی تدبر قرآن صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۸ میں ذکر کرتے ہوئے نظم اور عمود وغیرہ کا اضافہ بھی کیا ہے۔ ان کی عبارت نقل کرنے کے بعد مفتی عبدالواحد نے اصلاحی پر نقد کیا ہے کہ وہ تو سلف اور اپنے طریق تفسیر کو ایک ہی بتلا رہے ہیں جبکہ حقیقت حال ایسی نہیں ان میں کافی فرق ہے۔ سلف تو احادیث کو قرآن مجید کا شارح اور مفسر مانتے ہیں جبکہ اصلاحی صاحب ایسا نہیں مانتے۔[۴۲]

پھر اصلاحی صاحب کا طریق تفسیر جو کہ سلف سے انحراف پر مشتمل ہے اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اصلاً اصلاحی قرآن مجید کے الفاظ کی دلالت قطعی کے قائل ہیں جبکہ احادیث کے ظنی ہونے کے قائل ہیں۔ اسی وجہ سے وہ احادیث کو مؤید کے طور پر لیتے ہیں کہ خود صاحب تدبر قرآن اپنی کتاب مبادی تدبر قرآن ص ۱۶۶ پر رقم طراز ہیں کہ "تنہا انہی (احادیث) کی مدد سے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا"۔[۴۳] ان عبارات کے نقل کرنے کے بعد اس بات کے دلائل دیئے ہیں کہ قرآن کے الفاظ کا بالعموم قطعی الدلالۃ مان لینا جمہور کا مسلک نہیں ہے بلکہ وہ الفاظ جن میں مشترک و مجاز معنیٰ کا کوئی احتمال ہی نہیں یا احتمال ہے لیکن اس کو دفع کرنے کا قوی قرینہ آیت کریمہ میں موجود ہے تو اس صورت میں الفاظ کی اپنے معنیٰ پر دلالت قطعی ہو گی بصورت دیگر جب ظنی دلائل کی بنیاد پر کسی ایک معنیٰ کو ترجیح دیں گے تو ترجیح دیے گئے معنیٰ پر لفظ کی دلالت ظنی ہو گی۔ اور اس کی مثال قرآن مجید کے لفظ قروء سے دی ہے۔

اس کے بعد اصلاً جس چیز پر نقد کیا گیا ہے وہ روایات و احادیث کو ترک کر کے قرآن مجید میں تدبر اور نظم، سیاق و سباق اور عمود کی بنیاد پر تفسیر کرنے کا اصلاحی طریق تفسیر ہے۔ آگے چل کر اس طریق تفسیر کی خطرناکی اور ہولناکی بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ ہوائے نفس کی پیروی کے سوا کچھ نہیں۔

مصنف کے نزدیک مولانا اصلاحی نے اجماع امت کی مخالفت کی ہے ،ان میں رجم اور قرات کے انکار کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ دوسرے باب میں مولانا اصلاحی صاحب کے اصولِ حدیث و سنت کا ذکر کیا ہے، جبکہ تیسرے باب میں اصلاحی صاحب کے اصولِ تفسیر پر ناقدانہ نگاہ ڈالی گئی ہے ،کتاب ۱۴۱ صفحات پر مشتمل ہے اور مولنا اصلاحی کے اہم افکار پر اچھا نقد پیش کرتی ہے۔

۷۔ حمید الدین فراہی اور جمہور کے اصول تفسیر تحقیقی و تقابلی مطالعہ

مذکورہ بالا نقد حافظ انس نضر کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے۔ جو انہوں نے ۲۰۰۳ء میں شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے جمع کروایا ہے۔ اس مقالہ میں انہوں نے مولانا فراہی کے اصول تفسیر کا جمہور کے اصول تفسیر سے تقابل کیا ہے اور اس کے آخر میں نتائج اخذ کیے ہیں کہ جناب فراہی نے جمہور کے مسلک سے عدول کرتے ہوئے خود ساختہ اصول تفسیر ترتیب دیے ہیں جن کی نظیر اس سے قبل نہیں ملتی۔

حافظ انس نضر نے اس مقالہ میں مولانا فراہی کی زبانی ان کے نظم قرآن کو بطور دعوی پیش کرنے کے اسباب بیان کیے ہیں۔ جس میں ایک اہم سبب جو مولانا نے بیان کیا ہے وہ ملحدین کے اعتراضات ہیں۔ جو انہوں نے قرآن مجید پر نظم کے حوالہ سے کیے ہیں۔ صفحہ ۴۴ اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا فراہی دوسرے علماء سے یکسر اختلاف کرتے ہوئے ملحدین کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے نظم قرآن کے جھنجٹ میں پڑے ہیں۔ جبکہ دیگر علماء اس سلسلہ میں نظم کے قائل ہی نہیں ہیں۔ تلاش نظم کے لیے مولانا فراہی نے داخلی و خارجی اصول بھی متعین کرتے ہیں۔ حافظ انس نضر نے الحاصل کے عنوان سے صفحہ ۲۲۶ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علماء تفسیر نے علم نظم قرآن کو اصول تفسیر تو کجا تفسیر کے لیے ضروری علوم میں بھی شمار نہیں کیا اب واضح ہے کہ اس کے ذریعے تفسیر ، تفسیر بالرائے ہوگی اور تفسیر بالرائے جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ اگر شرائط و ضوابط کے مطابق ہو تو محمود و گرنہ مذموم ہوگی۔ آگے چل کر فاضل محقق لکھتے ہیں :

> ’’چنانچہ تفسیر بالرائے جائز میں مفسر کے لیے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے منقول آثار پر اعتماد کرنا واجب ہے۔ یہ چیزیں تفسیر بالرائے کرنے والے کے لیے راہ کو روشن کرتی ہیں۔ اس کے برعکس مولانا فراہی نے تفسیر قرآن کے اصولوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ 1-بنیادی اصول 2-ترجیح کے اصول ۳-غلط اصول۔۔۔ایک جگہ غلط اصول کے زیر عنوان لکھتے ہیں قرآن کی تاویل حدیث کی روشنی میں کرنا جب کہ حدیث کی تاویل قرآن کی روشنی میں ہونی چاہیے۔‘‘[۴۵]

آگے چل کر صفحہ ۲۲۷ آخری سطر میں مولانا فراہی کا یہ اقتباس دیا ہے ’’احادیث وروایات کے ذخیرہ سے صرف وہی چیزیں چنی جائیں جو نظم قرآن کی تائید کریں، نہ کہ اس کے تمام نظام کو درہم برہم کردیں‘‘

ان اقتباسات کو نقل کرنے کے بعد صفحہ ۲۲۸ پر ایک فصل کا اختتام ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں :

"لیکن سطور بالا میں پیش کردہ ارباب تفسیر کے بیانات سے مولانا فراہی کے ان نظریات کی کمزوری عیاں ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات قرآنی کے نظم کے سلسلہ میں مولانا راہ افراط و غلو پر گامزن ہیں جو لائق استحسان نہیں ہے"[۴۶]

مولانا فراہی کے تفسیری تفردات پر نقد

پھر ایک فصل مولانا فراہی کے تفسیری تفردات پر باندھی ہے جس میں فراہی کی طرف سے مختلف الفاظ قرآنی اور سورتوں کی مزعومہ تفاسیر کو بیان کیا ہے۔ مثلاً سورۃ اللہب کے بارے میں فراہی صاحب کا مؤقف کہ یہ ابو لہب کے بیان تبالک یا محمد الھذا دعوتنا کے جواب میں نہیں بلکہ فتح مکہ کی خوشخبری کے طور پر نازل ہوئی ہے۔ فراہی صاحب کے اس مؤقف کے برخلاف جمہور کے متعدد اقوال بھی اس پر نقد کے لیے نقل کیے گئے ہیں۔

اسی طرح سورۃ عبس میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کے الفاظ کی مخالفت کہ وہ اصلاً کفار پر عتاب ہے نہ کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر۔ اس طرح فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کو بھی ہوا کی گردش کے زیر سایہ آنے والے طوفان کا شاخسانہ قرار دیا ہے ان سب باتوں کو ذکر کرنے کے بعد فاضل مقالہ نگار نے جمہور کا مؤقف بیان کیا ہے اور فراہی کے موقف کو غلط ثابت کیا ہے۔

علوم عربیہ سے استفادہ میں افراط و تفریط اور راہ اعتدال

اسی طرز پر مولانا فراہی پر مقالہ کا ایک باب علوم عربیہ سے استفادہ میں افراط و تفریط اور راہ اعتدال کے نام سے قائم کیا ہے اور پھر فصل مولانا فراہی اور ادب جاہلی کے نام سے قائم کی ہے جس میں مولنا کے وہ تفردات جو عربی دانی کی بنیاد پر تھے کو ایک ایک کر کے لیا گیا ہے اور جمہور کا مؤقف بیان کر کے اس کی تردید کی گئی ہے۔ جیسے سورۃ التحریم کی آیت ۴ میں صغت قلوبکما میں صغت کے معنی عام مفسرین نے تو حق سے پھرنا اور منحرف ہونے، نافرمانی کرنے کے لیے ہیں۔ لیکن مولانا فراہی اس سے مراد مائل ہونے اور جھک جانے کے لیے ہیں جو جمہور کے بالکل مخالف ہے اور اپنے اس مؤقف پر عربی شاعری سے استدلالات پیش کیے ہیں۔ اس کے بعد مولانا کی کتاب مفردات القرآن جو قرآنی لغت پر ایک وقیع کام ہے اس کا تعارف بھی پیش کیا ہے اور نقد کیا ہے کہ اس میں بھی جاہلی ادب کی مدد سے قرآن مجید کے الفاظ کی تشریح کی گئی ہے۔ جس میں اجماع امت کا بھی قطعاً لحاظ نہیں کیا گیا۔

مولانا فراہی کے قرآن مجید کے قطعی الدلالہ ہونے والے مؤقف کا تجزیہ

ایک دوسری فصل 'تفسیر قرآن بذریعہ قرآن' کا عنوان قائم کیا ہے جس میں مولانا فراہی کی اس بات کو بنیادی قضیہ بنایا گیا ہے کہ

"مولانا فراہی کے تصور تفسیر القرآن بالقرآن کی کمزوری بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ نظم قرآنی اور ادب جاہلی کو تو اس میں شامل کرتے ہیں اور پھر اسے قطعی قرار دیتے ہیں۔ جبکہ حدیث و سنت اور صحابہ کرامؓ کی تفاسیر جن میں حکما مرفوع اقوال بھی شامل ہیں، کو ظنی قرار دے کر لائق اعتناء نہیں جانتے۔ سوال یہ

ہے کہ نظم قرآنی اور ادب جاہلی سے ماخوذ مفہوم کو درجہ قطعیت کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور حدیث وسنت کے پایہ قطعیت کو پہنچنے میں کون سی شے حائل ہے؟"[47]

پھر اس فصل میں اسی نقطہ کو حل کیا گیا ہے۔ اور اس کی بنیادی وجہ یہ ڈھونڈ نکالی ہے کہ مولانا فراہی پورے قرآن مجید کو قطعی الدلالۃ سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ احادیث کو ثانوی حیثیت میں رکھتے ہیں۔ اور تبیین قرآن کے لیے قرآن ہی سے رہنمائی لینے کے قائل ہیں اور احادیث کو مؤید کے طور پر لیتے ہیں۔ اس بات کے ثبوت کے طور پر مولانا فراہی کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں:

انّ القرآن قطعی الدلالة، واحتمالها (ای أیاته) المعانی الکثیرة من قصور العلم والتدبّر[48]

مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد فاضل مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ ایک طرف تو یہ دعوی ہے کہ قرآن مجید قطعی الدلالہ ہے اور اس میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال کسی کے فہم اور علم کا قصور ہے جبکہ دوسری جگہ خود معانی کثیرہ کے احتمال کو مانتے ہوئے یا نظم قرآن سے تعیین معنی کی بات کرتے ہیں۔ یا احسن الوجوہ کی تفسیر کو مانتے ہیں یا لغت سے استدلال کو مانتے ہیں یا محذوف عبارت کے ماننے سے انکار پر تعیین کرتے ہیں یا باقی قرآن سے اس کی نظیر تلاش کرتے ہیں۔

مقالہ نگار ایک جگہ مولانا فراہی کے قرآن مجید کے قطعی الدلالۃ ہونے والے مؤقف کا تجزیہ کرتے ہوئے ایک دلچسپ مثال ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"مولانا فراہی نے لکھا ہے کہ قرآن کے سیاق وسباق اور نظم سے چہرے کا پردہ ثابت ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں حجاب کے مسئلہ میں تفاسیر اور فقہ میں پوری توضیح موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھنا جائز ہے۔ میری رائے میں نظم قرآن پر توجہ نہ کرنے سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے ایسی قدیم غلطیوں کا کیا علاج کیا جائے کون سنتا ہے کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میری۔ فقہاء اور مفسرین کا گروہ ہم زبان ہے۔۔۔ میں اس مسئلے پر مطمئن ہوں اور میرے نزدیک اجنبی سے پورا پردہ کرنا واجب ہے اور قرآن نے یہی حجاب واجب کہا ہے جو شرفاء میں رائج ہے بلکہ اس قدرے زائد۔"[49]

مقالہ نگار اس کے بعد لکھتے ہیں یہی رائے ان کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی کی بھی ہے تفسیر تدبر قرآن آیت (ذالک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین) کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحی کی عبارت نقل کی ہے:

"اس ٹکڑے سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ ایک وقتی تدبیر تھی جو اشرار کے شر سے مسلمان خواتین کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی"[50]

اس کو نقل کرنے کے بعد اصلاحی صاحب کے شاگرد جاوید غامدی کا اسی آیت کے ذیل میں مؤقف نقل کرتے ہیں اور پھر پائے جانے والے تضاد پر جامع نقد کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"مولانا اصلاحی کے شاگرد جاوید احمد غامدی جو اپنے ہر دو استادوں کو اپنا امام قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے نظم قرآنی کے اصولوں پر قرآن کی تفسیر کے قائل ہیں۔ نظم قرآن کی روشنی میں اس مسئلے میں ان دونوں

حضرات سے مختلف تفسیر کرتے ہیں۔ غامدی صاحب سورۃ احزاب کی آیت (یا ایھاالنبی قل لازواجک۔۔۔)"[۵۱] کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس آیت کا سیاق و سباق اس بات کی دلیل ہے کہ اس آیت میں چہرے کے پردے کا حکم ایک عارضی حکم تھا۔۔۔ مولانا فراہی اور اصلاحی کے بقول عصر حاضر کی خواتین کے لیے بھی چہرے کا پردہ نص قرآنی اور نظم قرآنی سے ثابت ہے اور یہ کوئی عارضی یا تدبیری حکم نہیں تھا۔ جبکہ ان کے شاگرد جاوید احمد غامدی کے بقول قرآن کے سیاق و سباق کے مطابق چہرے کا پردہ ایک عارضی و تدبیری حکم تھا۔ اب یہ دو متضاد بیانات ہیں۔ اگر واقعتاً قرآن کا سیاق و سباق اور نظم قرآن اس کے قطعی مفہوم کو متعین کرتا ہے تو ایک ہی جیسے اصول تفسیر یعنی نظم قرآن کے اصول کو ایک ہی نص پر منطبق کرنے کے نتیجے میں دو متضاد آراء کیسے حاصل ہو گئیں۔ اگر دونوں استاد اور امام غلطی پر ہیں تو پھر قرآن قطعی ہو گا لیکن صرف مکتبہ فراہی کے ایک ادنی شاگرد کے لیے۔ نہ کہ جمیع مخاطبین کے لیے۔ کیونکہ جو قرآن عصر حاضر کے دو اماموں کے لیے قطعی الدلالۃ نہ ہو سکا وہ عامۃ الناس کے لیے کیسے قطعی ہو سکتا ہے؟"[۵۲]

یہ بڑا جامع نقد ہے جو مقالہ نگار نے نظم قرآن کی مدد سے قرآن مجید کے قطعی معنی ڈھونڈنے پر کیا ہے۔ جس سے نظم قرآن کی اور سیاق و سباق کے اصول کی معنی کی قطعیت پر دلالت پر حرف آتا ہے۔

مقالہ کے خاتمہ بحث میں بھی تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کو تفسیر ماثور کی روشنی کے بغیر اپنے فہم سے کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بسا اوقات مفسر اپنے ذاتی میلان مذہبی تعصب اور نفسانی خواہشات کی بناء پر ایک آیت کی ایسی تفسیر کرتا ہے جو قرآن و سنت کے مخالف ہوتی ہے۔ مثلاً مولانا فراہی نے ((الی ربھا ناظرہ)) میں لفظ ناظرہ کا معنی دیکھنے کی بجائے انتظار کرنا لیا ہے اور بطور دلیل آیت (فناظرۃ بم یرجع المرسلون) پیش کی ہے اگرچہ یہ ان کے دعوی کے مطابق تفسیر القرآن بالقرآن اور قطعی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس تفسیر میں انہوں نے اپنے ذاتی میلان کے مطابق استدلال کیا ہے حالانکہ صحیح احادیث میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر نبی کریم ﷺ نے رب العلمین کے دیدار سے کی ہے۔ ارشاد ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "إِنَّ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً لَمَنْ يَنْظُرُ إِلَى جِنَانِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَنَعِيمِهِ وَخَدَمِهِ وَسُرُرِهِ مَسِيرَةَ أَلْفِ سَنَةٍ وَأَكْرَمَهُمْ عَلَى اللهِ مَنْ يَنْظُرُ إِلَى وَجْهِهِ غَدْوَةً وَعَشِيَّةً، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ {وُجُوْهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ}."[۵۳]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے کم تر درجے کا جنتی وہ ہو گا جو اپنے باغات، بیویوں، نعمتوں، خادموں اور تختوں کی طرف دیکھے گا جو ایک ہزار سال کی مسافت پر مشتمل ہوں گے، اور اللہ کے پاس سب سے مکرم وہ ہو گا جو اللہ کے چہرے کی طرف صبح و شام دیکھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وُجُوْهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔

۸. جواب اصول و مبادی

یہ کتاب مجلس التحقیق الاسلامی کے محققین کی تیار کردہ ہے، اس کتاب میں جاوید احمد غامدی صاحب کی کتاب "اصول و مبادی" کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، جس میں خاص طور پر اصولِ حدیث اور اصولِ تفسیر پر نقد کیا گیا ہے، اس کتاب کے اہم عنوانات یہ ہیں:

۱۔ ملتِ ابراہیمی کی اتباع اور غامدی صاحب کا نقطہ نظر
۲۔ جاہلی ادب اور غامدی صاحب کا نظریہ
۳۔ زبان کی ندرت اور اسلوبِ قرآن اور غامدی صاحب کا نقطہ نظر
۴۔ حدیث سے قرآن کی تخصیص و تحدید
۵۔ حدیث سبعہ احرف پر غامدی صاحب کے اعتراضات کا جائزہ
۶۔ آسمانی صحائف اور غامدی صاحب کا بیان کردہ اصول
۷۔ فطرت اور غامدی صاحب کا نقطہ نظر
۸۔ غامدی صاحب کے اصولِ سنت کا تنقیدی جائزہ

اس کتاب میں غامدی صاحب کے ایک ایک اصول کو لیا گیا ہے پھر جواب کا عنوان قائم کر کے نہ صرف جواب دیا گیا ہے بلکہ جمہور کی رائے کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ اور غامدی صاحب کی اپنی تحریروں میں عربی گرائمر کی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان جوابات کو ذکر کرتے ہوئے باقاعدہ طور سے اسلامی تراث سے خاطر خواہ استفادہ کیا گیا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱ امین احسن اصلاحی، مصنف کے مختصر حالات زندگی در مشمولہ مجموعہ تفاسیر فراہی، ص ۷ تا ۲۴ اور سید سلیمان ندوی، یادِ رفتگاں، مجلس نشریات اسلامی، کراچی، ص ۱۱۰ تا ۱۳۳ اور شرف الدین اصلاحی، ذکر فراہی، دار التذکیر لاہور، ط اول، ص ۲۳۴ تا ۵۳۴

۲ www.raziulislamnadvi.com/moulana-raziul-islam-nadvi retrieved on ۱۸/۰۵/۲۰۱۸, ۴:۲۰ p.m.

۳ بھارت کا ایک اہم شہر ہے۔ جو سر سید احمد خاں کی تعلیمی، ادبی اور سیاسی تحریک کا مرکز بنا۔ یہ ایم اے او کالج کے توسیعی ادارے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے باعث مشہور ہوا۔ یونیورسٹی کے علاوہ یہ شہر اپنی تالوں کی صنعت کے لیے بھی مشہور ہے، اس کے علمی و تحقیقی اداروں میں ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، ادارہ علوم القرآن، مرکز ثقافت و تحقیق، امام بخاری ریسرچ اکیڈمی ہیں۔

۴ رضی الاسلام ندوی، نقد فراہی، مکتبہ اسلام، علی گڑھ، ۲۰۱۰، ص ۹۔

۵ نقد فراہی، ص ۹ تا ۱۲۔

۶ حبشہ (ایتھوپیا) کا بادشاہ جس نے ۵۲۵ء میں یمن فتح کیا۔ مسیحیت کا پرجوش حامی تھا۔ اس نے یمن کے دار الحکومت صنعا میں ایک عالی شان گرجا تعمیر کروا دیا تھا۔ ۵۷۰ء میں مکہ پر حملہ کیا جس کا مقصد خانہ کعبہ کو منہدم کر کے صنعا کے

گرجے کو مرکزی عبادت گاہ کا درجہ دینا تھا۔ ابرہہ کی فوج میں ایک ہاتھی بھی تھا جس کا نام ابن ہشام نے محمود لکھا ہے۔ چونکہ عربوں کے لیے یہ ایک انوکھی چیز تھی اس لیے انھوں نے حملے کے سال کا نام عام الفیل (ہاتھی کا سال) رکھ دیا۔ قرآن مجید کی سورۃ فیل میں ہے کہ جب ابراہہ نے مکے پر حملہ کیا تو خدا نے مکے والوں کی مدد کے لیے ابابیلیں بھیجیں جن کے پنجوں میں کنکریاں تھیں۔ یہ کنکری جس شخص کو لگ جاتی، اس کا بدن پھٹ جاتا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ اس طرح ابراہہ کو بے نیل مرام واپس جانا پڑا۔

۷ حمید الدین فراہی، نظام القرآن، تفسیر سورۃ فیل، ط: اول، دائرہ حمیدیہ سرائے میر، اعظم گڑھ، انڈیا، ص ۴۲۔

۸ ایضاً ص ۴۵۔

۹ رضی الاسلام ندوی، نقد فراہی، ص ۴۱-۴۲

۱۰ حمید الدین فراہی، نظام القرآن، تفسیر سورۃ الکوثر، ص ۴۲۰۔

۱۱ ایضا، ص ۴۲۲۔

۱۲ رضی الاسلام ندوی، نقد فراہی، ص ۶۰۔

۱۳ حمید الدین فراہی، ذبیح کون، مترجم امین احسن اصلاحی، ط: ۱۹۷۵ء، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ص ۲۰۔

۱۴ رضی الاسلام ندوی، نقد فراہی، ص ۱۸۵ تا ۱۸۶۔

۱۵ ایضا، ص ۱۸۸۔

۱۶ ایضا: ص ۱۹۷۔

۱۷ ایضا، ص ۸۵-۸۶

۱۸ محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار المدنی ۷۰۴ء) تا ۷۶۷ء (آٹھویں صدی کے قدیم ترین سیرت نگار ہیں جن کی مشہور کتاب سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیرت ابن اسحاق کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب اب ناپید ہو چکی ہے مگر اس کتاب کا نثری حصہ سیرت ابن ہشام میں لیا گیا ہے۔ ان کی تاریخ اسلامی تاریخ کی قدیم ترین کتاب ہے۔ وہ یسار کے پوتے تھے جسے ۱۲ھ میں عراق کے مقام عین التمر کے گرجا میں سے گرفتار کر کے مدینے لایا گیا تھا، جہاں وہ عبد اللہ بن قیس کے قبیلے کا مولیٰ بن گیا۔ ابو عبید اللہ محمد بن اسحٰق بن یسار مطلبی جو ابن اسحٰق کے نام سے مشہور ہیں مدینہ کے رہنے والے تھے۔ سیرت ابن اسحاق کے مصنف ہیں۔ ابن اسحاق مدینہ منورہ میں ۸۵ھ، ۷۰۴ء) میں پیدا ہوئے مدینہ میں قیام کیا۔ پھر کسی وجہ سے مصر اور وہاں سے کوفہ چلے گئے۔ آخر میں بغداد میں مقیم ہو گئے۔ (سیرت ابن اسحاق، مکتبہ نبویہ لاہور)

۱۹ نقد فراہی، ص ۶۴، ۱۲۲۔

۲۰ رضی الاسلام ندوی، نقد فراہی، ص ۱۵۳۔

۲۱ ایضا، ص ۱۶۹-۱۷۰

۲۲ ایضا، ص ۱۹۹۔

۲۳ عبد الوکیل ناصر، اصول اصلاحی اور اصول غامدی کا تحقیقی جائزہ، ادارہ اشاعت قرآن و حدیث، ص ۱۶۔

۲۴ اصول اصلاحی اور اصول غامدی کا تحقیقی جائزہ، ص ۲۱-۲۲

۲۵ حافظ فدا حسین، اصول تفسیر میں نظم قرآن کی روایت کا تاریخی و تحلیلی مطالعہ، ص ۲۳۹

۲۶ ایضا : ص ۲۴۴

۲۷ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ج ا، ص ۳۲۔

۲۸ حافظ افتخار احمد، تفسیر تدبر قرآن : ایک تنقیدی جائزہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، ص ۱۱۴۔

۲۹ تفسیر تدبر قرآن : ایک تنقیدی جائزہ، ص ۱۱۲۔

۳۰ جلیل احسن ندوی، تدبر قرآن پر ایک نظر، ترتیب و تعلیق مولانا نعیم الدین اصلاحی۔ دار التذکیر لاہور، ۲۰۰۷، ص ۹-۱۰

۳۱ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ج ا، ص ۳۷۔

۳۲ ایضا، ص ۴۱۔

۳۳ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ج ا، ص ۴۱

۳۴ جلیل احسن ندوی، تدبر قرآن پر ایک نظر، ص ۱۱۔

۳۵ ایضا، ص ۱۲

۳۶ ایضا، ص ۱۶۔

۳۷ ایضا، ص ۱۵۔

۳۸ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ص ۲۵۔

۳۹ ایضا، ج ۶، ص ۵۲۹۔

۴۰ ایضا، ج ۶، ص ۳۷۴۔

۴۱ عبدالواحد، مفتی، تحفہ اصلاحی، ادارہ تعلیمات دینیہ، لاہور، ص ۲۱۔

۴۲ ایضا ص ۱۲۔

۴۳ امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر قرآن، ص ۱۶۶۔

۴۴ حافظ انس نضر، حمید الدین فراہی اور جمہور کے اصول تفسیر : تحقیقی و تقابلی مطالعہ، کتاب محل لاہور، ص ۱۹۸۔

۴۵ ایضا، ص ۲۲۷۔

۴۶ ایضا، ص ۲۲۸۔

۴۷ ایضا، ص ۲۳۰۔

۴۸ حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن، فاتحة نظام القرآن، بحوالہ حافظ انس نضر، ص ۳۹۔

۴۹ حمید الدین فراہی اور جمہور کے اصول تفسیر تحقیقی و تقابلی مطالعہ، ص ۲۴۸۔

۵۰ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تفسیر سورۃ الاحزاب (۳۳) : ۵۹۔

۵۱ سورۃ الاحزاب (۳۳) : ۵۹۔

۵۲ حمید الدین فراہی اور جمہور کے اصول تفسیر تحقیقی و تقابلی مطالعہ، حافظ انس نضر، ص ۲۶۰۔

۵۳ الترمذی، ابو عیسی، سنن الترمذی، کتاب صفة الجنة عن رسول اللہ باب منہ، حدیث رقم : ۲۵۵۳۔ امام ترمذی کہتے ہیں : یہ حدیث کئی سندوں سے اسرائیل کے واسطہ سے جسے وہ ثویر سے، اور ثویر ابن عمر سے روایت کرتے ہیں مرفوعاً آئی ہے۔ جب کہ اسے عبدالملک بن جبر نے ثویر کے واسطہ سے ابن عمر سے موقوفاً روایت کیا ہے، اور عبید اللہ بن اشجعی نے سفیان سے، سفیان نے ثویر سے، ثویر نے مجاہد سے اور مجاہد نے ابن عمر سے ان کے اپنے قول کی حیثیت سے اسے غیر مرفوع روایت کیا ہے۔